چلد ۷ جنوری ۱۹۶۶ء شمارہ ۱

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

جنوری ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ ساٹھ پیسے

[illegible]

	[illegible]	[illegible]
٢٣		[illegible]
٢٦	[illegible]	[illegible]
٢١	[illegible]	[illegible]
٢٤	[illegible]	[illegible]
٢٨	[illegible]	[illegible]
٢٠	[illegible]	[illegible]
١٧	[illegible]	[illegible] [illegible]
١٢	〃 〃 〃 〃	[illegible] [illegible]
١٥	〃 〃 〃 〃	[illegible]
١١	[illegible]	[illegible]
٢	[illegible]	[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جلد ۵ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ ○ شمارہ ۱

۱۵ جنوری ۱۹۶۶ء

للّٰہی وقف کی توفیق اور سعادتِ تامہ کا حصول

ماہِ صیام اور اُس کی ایک عظیم الشان برکت

آج کل ہم رمضان کے مبارک مہینے اور علی الخصوص اس کے انتہائی مقدس و بابرکت آخری عشرہ میں سے گزر رہے ہیں اس کی عظیم الشان برکات میں سے سب سے بڑی اور سب سے اہم برکت یہ ہے کہ اس کی مخصوص عبادات پورے خلوص عزم و ہمّت اور تعہد کے ساتھ بجالانے کے نتیجہ میں ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے اور سعادتِ تامہ حاصل کرنے کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس پر چل کر انسان زندگی کے حقیقی مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے اور اِس طرح عند اللہ و عند الناس فائز المرام قرار پا سکتا ہے یہ سمجھنے کے لئے کہ رمضان کی بدولت کیونکر انسان کو للّٰہی وقف کی توفیق ملتی ہے اور کس طرح سعادتِ تامہ کا حصول ممکن ہوتا ہے، پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ للّٰہی وقف سے کیا مراد ہے اور سعادتِ تامہ کس روحانی علو و ارتفاع پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ پہلے ہم للّٰہی وقف اور سعادتِ تامہ کے مختلف درجوں پر روشنی ڈالیں گے اور پھر یہ بتائیں گے کہ رمضان کی بدولت ان کا حصول کیونکر ممکن ہوتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس امر کو کہ للّٰہی وقف سے کیا مراد ہے؟ قرآن مجید کی آیت

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۳) کی نہایت لطیف تفسیر بیان کرتے ہوئے بڑے ہی مسحور کن انداز میں واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں :۔

"خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی کا وقف کرنا جو حقیقتِ اسلام ہے دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اُس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے اور اس کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں اور نہایت نیستی اور تذلل سے ان سب حکموں اور حدوں اور قانونوں اور تقدیروں کو بارادتِ تام سر پر اٹھا لیا جاوے اور نیز وہ تمام پاک صداقتیں اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علوّ مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کے آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہیں بخوبی معلوم کر لی جائیں۔

دوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غم خواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے۔ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ ایڈیشن سوم صفحہ ۶۰)

حضور علیہ السلام کی اس پر معارف تحریر سے جو بلاشبہ معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتی ہے یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ للّٰہی وقف، حقوق اللہ اور حقوق العباد (جنہیں تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) کی کما حقہٗ ادائیگی میں انتہائی شغف اور تعہد پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام سعادتِ تامہ اور اس کے مختلف درجوں کو واضح کرتے ہوئے نہایت پر معارف انداز میں فرماتے ہیں :۔

"اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت موصوفہ بالا یعنی بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ سعادتِ تامہ کے تینوں ضروری درجوں یعنی فنا اور بقاء اور لقا کی طرف اشارت کرتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کا فقرہ یہ تعلیم کر رہا ہے کہ تمام قویٰ اور اعضاء اور جو کچھ اپنا ہے خدا تعالیٰ کو سونپ دینا چاہیئے۔ اور یہی وہ کیفیت ہے جس

کا نام دوسرے لفظوں میں **فنا** ہے وجہ یہ کہ جب انسان نے حسب مفہوم اس آیت ممدوحہ کے اپنا تمام وجود مع اس کی تمام قوتوں کے خدا تعالےٰ کو سونپ دیا اور اس کی راہ میں وقف کر دیا اور اپنی نفسانی جنبشوں اور سکونوں سے بکلّی باز آ گیا تو بلاشبہ ایک قسم کی موت اُس پر طاری ہو گئی اور اسی موت کو اہلِ تصوف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پھر بعد اس کے وَهُوَ مُحْسِنٌ کا فقرہ مرتبہ **بقا** کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ جب انسان بعد فنائے اکمل و اتم و سلبِ جذباتِ نفسانی الٰہی جذبہ اور تحریک سے پھر جنبش میں آیا اور بعد منقطع ہو جانے تمام نفسانی حرکات کے پھر ربّانی تحریکوں سے پُر ہو کر حرکت کرنے لگا تو یہ وہ **حیاتِ ثانی** ہے جس کا نام بقا رکھنا چاہیئے۔

پھر بعد اس کے یہ فقرات فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ جو اثبات و ایجابِ اجر، و نفی و سلبِ خوف و حزن پر دلالت کرتے ہیں یہ حالت **لقا** کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جس وقت انسان کے عرفان اور یقین اور توکل اور محبت میں ایسا مرتبۂ عالیہ پیدا ہو جائے کہ اس کے خلوص اور ایمان اور وفا کا اجر اس کی نظر میں وہمی اور خیالی اور ظنّی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی اور مشہود اور مرئی اور محسوس ہو کہ گویا اُس کو مل چکا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود پر ایسا یقین ہو جائے کہ گویا وہ اُس کو دیکھ رہا ہے اور ہر یک آئندہ کا خوف اُس کی نظر سے اٹھ جاوے اور ہر یک گزشتہ اور موجودہ غم کا نام و نشان نہ رہے اور ہر ایک روحانی تنعم موجود الوقت نظر آوے تو یہی حالت جو ہر یک قبض اور کدورت سے پاک اور ہر یک دغدغہ اور شک سے محفوظ اور ہر یک دردِ انتظار سے منزّہ ہے لقا کے نام سے موسوم ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام ایڈیشن سوم صفحہ ۶۳-۶۴)

سو گویا سعادتِ تامہ کے تینوں درجے فنا، بقا، اور لقا خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے نفس پر موت وارد کر کے روحانی حیات سے ہمکنار ہونے اور خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات اور خوف و حزن سے بکلّی منزہ ہو کر اسکی گود میں جا بیٹھنے پر دلالت کرتے ہیں۔

للّٰہی وقف اور سعادتِ تامہ کا یہی وہ انتہائی اعلیٰ و ارفع مقام ہے جس کا کامل ترین نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجودِ باجود میں دنیا کے سامنے پیش کیا حتیٰ کہ خود اللہ تعالےٰ نے آپ کو دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنے کا ارشاد فرمایا کہ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ لَا شَرِيْكَ

لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (الانعام آیات ۱۶۳، ۱۶۴) یعنی یہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس امر کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ ——— پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے وجود باجود میں للّٰہی وقف اور سعادتِ تامہ کے حصول کا یہ کامل ترین نمونہ اس لئے پیش کرایا تا قیامت تک لوگ آپؐ کے نقشِ قدم پر چل کر اور آپؐ کی کامل پیروی اختیار کر کے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں اسیطرح وقف کریں اور سعادتِ تامہ کے ان تینوں درجوں کو حاصل کرنے میں کوشاں ہوں اور اس طرح عند اللہ فائز المرام ٹھہریں۔ اسیطرح آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دنیا کے سامنے یہ بھی اعلان فرمایا کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران آیت ۳۲) یعنی یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اس صورت میں وہ بھی تم سے محبت کرے گا۔

للّٰہی وقف اور سعادتِ تامہ کا حصول جس کا اعلیٰ و اکمل ترین نمونہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیش فرمایا۔ بظاہر بہت کٹھن نظر آتا ہے اور بادی النظر میں معلوم یہی دیتا ہے کہ اس دشوار گذار راہ پر چلنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہر فرد بشر کو اسی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ حصولِ سعادتِ تامہ کی اس راہ کو مسلمانوں کے لئے آسان بنانے کی خاطر ان کے واسطے اپنے فضل سے ایک بہت بڑی سہولت فراہم کی ہے وہ سہولت جو اس کے فضل بے پایاں پر دلالت کرتی ہے یہ ہے کہ اس نے ایک قسم کے ریفریشر کورس کی شکل میں سال میں مشق اور ٹریننگ کا ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا ہے اور پھر خود ہی اس مہینے کو ایسی غیر معمولی اور عظیم الشان برکتوں سے معمور فرمایا ہے کہ اس مشق اور ٹریننگ کے نتیجہ میں ہر مسلمان کو للّٰہی وقف کی توفیق ملنا اور اس کا سعادتِ تامہ کی راہ پر گامزن ہونا چنداں مشکل نہیں رہتا بلکہ حد درجہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے وہ مقدس و مبارک اور سراپا برکت مہینہ رمضان کا مہینہ ہے جس کے روزے ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیئے گئے ہیں۔

رمضان کے بابرکت مہینے میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دن کے اوقات میں کھانے پینے اور ہر قسم کی لغو باتوں سے کلی پرہیز کر کے اپنے تمام فارغ اوقات کو تلاوت قرآن مجید اور تسبیح و تحمید میں گزار کر اور پھر راتیں نوافل کے ذریعہ یادِ الٰہی میں بسر کر کے اور بکثرت صدقہ و خیرات کر کے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیتا ہے خدا ہی اس کا مقصود و مطلوب ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق خدا تعالیٰ کے جملہ احکام بجا لا کر ایک رنگ میں اس سے مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے پاک ہے وہ بھی ایک حد تک اپنے آپ کو ان حوائج سے بالا کر کے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے اس کے دن اور رات اسی کوشش میں بسر ہوتے ہیں کہ وہ اللہ

تعالیٰ کے قریب سے قریب تر ہو جائے اور اس طرح تبتّل الی اللہ کی کیفیت میں دوام حاصل کرلے ۔ پھر روزوں کے نتیجہ میں للّٰہی وقف کی دوسری شق بھی اپنے کمال کو پہنچے بغیر نہیں رہتی ۔ بھوک اور پیاس خود اپنے پر وارد کرنے سے مخلوق خدا کی تکالیف کا احساس انسان میں اجاگر ہوتا ہے جس کے زیر اثر اُس میں بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور باربرداری اور سچی غمخواری کے جذبات ابھرتے ہیں اور اسے ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے خود دکھ اٹھائے اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کرلے —— یہی وہ للّٰہی وقف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی غرض و غایت اور مقصد قرار دیا ہے ۔ رمضان کا مہینہ اسی للّٰہی وقف کی ٹریننگ اور مشق کرا کے ایک مسلمان کو بلیٰ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کا مصداق بناتا ہے اور اسے عنداللہ فائز المرام کرنے کا انتہائی مؤثر ذریعہ ثابت ہوتا ہے

یہ للّٰہی وقف جسے انسان رمضان کے روزوں اور اس کی خصوصی عبادات کے ذریعہ اختیار کرتا ہے سعادتِ تامہ کے پہلے درجہ یعنی فنا پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس درجہ میں وہ اپنی نفسانی جنبشوں اور سکونوں سے کلّی باز آکر ایک قسم کی موت اپنے اوپر وارد کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اسے حسب استعداد حیاتِ ثانی نصیب ہوتی ہے جو سعادتِ تامہ کے دوسرے درجہ یعنی بقا پر دلالت کرتی ہے ۔ فنا کے درجہ میں نفس امّارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو کر نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور بقا کے درجہ میں جو فنا کے لازمی نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوتا ہے تجلّیٔ قلب انسان کو میسر آتی ہے جو بالآخر انسان کو سعادت تامہ کے تیسرے درجہ یعنی لقائے الٰہی کا اہل بنا دیتی ہے اس درجہ میں لقائے الٰہی کی علامت کے طور پر رؤیا ۔ وکشوف کا دروازہ کھلتا ہے ۔ رمضان کے روزے پورے تعہد اور شرائط سے رکھنے والا اور دل و جان اس کی خصوصی عبادات بجا لانے والا ہر مسلمان سعادتِ تامہ کے ان درجوں سے اپنی استعداد کے مطابق ہی بہرہ ور ہوتا ہے ۔ جتنی اس کی استعداد اور کوشش ہو اس کے مطابق ہی وہ ان درجوں سے فیض یاب ہوتا ہے قرآن مجید کی آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ اس پر شاہد ناطق ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں رمضان کے نتیجہ میں سعادتِ تامہ کے ان تینوں درجوں فنا ۔ بقا اور لقاء کے حصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ چنانچہ آپ نے ایک سال رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے قبل اس مہینے کی عظیم الشان برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّ اٰخِرُهٗ

اس مہینے (یعنی ماہ صیام) کا اوّل حصہ رحمت درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ

عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ (مشکوٰۃ) جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ہے۔

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے تین عشروں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر عشرہ کو سعادتِ تامہ کے تینوں درجوں میں سے ایک ایک درجہ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ حضورؐ نے پہلے عشرہ کو رحمت قرار دیا ہے جو سعادتِ تامہ کے پہلے درجے یعنی فنا پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پہلا عشرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت خاص کی شکل میں ہر مومن مسلمان کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ رمضان کے روزے رکھ کر اور اس کی خصوصی عبادات بجا لا کر اپنے تمام قویٰ اور اعضا اور جو کچھ اس کا اپنا ہے خدا تعالیٰ کو سونپ دے اور اپنی نفسانی جنبشوں اور سکونوں سے لکلّی باز آ کر ایک قسم کی موت اپنے اوپر طاری کر لے۔ دوسرے عشرہ کو حضورؐ نے مغفرت سے خاص فرمایا ہے جو سعادتِ تامہ کے دوسرے درجہ یعنی لقاء پر دلالت کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان پورے تعہد کے ساتھ روزے رکھ کر اور جملہ مخصوص عبادات بجا لا کر پہلا عشرہ کامیابی سے گزار لیتا ہے تو وہ عند اللہ اس بات کا سزاوار ٹھہرتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسے دوسرے عشرہ میں بھی روزے رکھنے کی توفیق عطا فرما کر اس کے گناہ بخش دے۔ یہ مغفرت ایک نئی روحانی زندگی کی قائم مقام ہے جسے لقا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تیسرے عشرہ کو حضورؐ نے جہنم سے چھٹکارا اور حصولِ جنت کا عشرہ قرار دیا ہے جو بدیہی طور پر سعادتِ تامہ کے تیسرے درجہ یعنی لقا کے پر دلالت کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان پوری کامیابی کے ساتھ رمضان کے پہلے دو عشرے گزار کر فنا اور لقا کے مراحل طے کر لیتا ہے اور اس حال میں تیسرے عشرہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ عند اللہ اس امر کا سزاوار ٹھہرتا ہے کہ وہ اسے حسب استعداد لقائے الٰہی کی نعمت سے نواز کر وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مصداق بنا دے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس لقائے الٰہی کی علامت کے طور پر آخری عشرہ میں لیلۃ القدر جیسی عظیم الشان رات رکھی ہے جو ہزار راتوں سے بھی بہتر ہے جس میں ملائکہ آسمان سے اترتے ہیں اور اس زمین کو امن و سلامتی سے بھر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں خاص طور پر اپنے بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور انہیں ان کی دلی مرادیں عطا کرتا اور بشارتوں سے نوازتا ہے۔

چونکہ رمضان کے روزوں کے نتیجہ میں انسان کو حسب استعداد لقا کا درجہ بھی میسّر آ سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اُجْزٰى بِهٖ

حقیقی روزہ یعنی کھانے پینے اور شہوات سے بالا ہونے کا مقام تو دراصل میرا مقام ہے جب بندہ میری لقا کے لئے مجھ سے ایک حد تک یہ مشابہت پیدا کرتا ہے تو اس کی جزا میں خود بن جاتا ہوں یعنی بندہ کو میں اپنی لقا عطا کر دیتا ہوں۔

الغرض رمضان کا مہینہ نہایت مقدس و بابرکت مہینہ ہے اور اس کی عظیم الشان برکات میں سے سب سے بڑی اور سب سے اہم برکت یہ ہے کہ اس کی مخصوص عبادات پورے خلوص عزم و ہمت اور تعہد کے ساتھ بجالانے کے نتیجے میں ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے اور سعادتِ تامہ کے درجات فناء لقا اور لقاء کے حصول کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت مہینہ ریفریشر کورس کے طور پر مشق اور ٹریننگ کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ انسان للّٰہی وقف اور سعادتِ تامہ کے حصول کی جدوجہد میں دوام اختیار کرکے زندگی کے مقصد میں کامیاب ہو اور اُس کی نگاہ میں ناکام المرام ٹھہرے۔ پھر آخری عشرہ کو تو اس مقصد کے حصول کے اعتبار سے بے انتہا اہمیت حاصل ہے کیونکہ ایک مومن جب پہلے دو عشروں کے دوران علی الترتیب فنا اور لقا کے مرحلوں میں سے کامیابی کے ساتھ گزر کر تیسرے اور آخری عشرہ میں داخل ہوتا ہے تو اُس وقت گویا اس کی نیکی تقویٰ و طہارت اور اعمالِ حسنہ کی فصل پکنے کے قریب جا پہنچی ہے۔ اِس موقع پر اس کا اوّلین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ خفیف سے خفیف سستی اور غفلت سے بھی بچتے ہوئے اِس پکنے اور تیار ہونے والی فصل کو ضائع ہونے سے بچائے اور پوری چوکسی اور مستعدی کا ثبوت دے کر اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کرے کہ وہ سعادتِ تامہ کے آخری درجہ یعنی لقائے الٰہی کی عظیم الشان نعمت سے نوازا جائے۔ یہ مرحلہ انتہائی بابرکت بھی ہوتا ہے اور ساتھ کے ساتھ انتہائی نازک بھی کیونکہ اگر انسان اس میں تزکیۂ نفس کے مجاہدہ کو پوری مستعدی کے ساتھ جاری رکھے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر ذرا سی بھی غفلت دکھائے تو اس کی سابقہ محنت بھی ضائع جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتے ہی عبادت اور ذکرِ الٰہی میں شغف و انہماک کو اس اوجِ کمال تک پہنچا دیتے تھے کہ گویا ایک بہت بڑی مہم درپیش ہے جسے سر کئے بغیر آپ دم نہ لیں گے۔ ذکر الٰہی میں آپ کے اس شغف و انہماک اور غیر معمولی جدوجہد اور سرگرمی کے متعلق حدیث میں آتا ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ۔

(بخاری باب فضل لیلۃ القدر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کو (اور بھی زیادہ) کس لیتے تھے اور اپنی رات کو (اپنی مخصوص عبادت کے ذریعہ) غیر معمولی زندگی سے معمور کر دیتے تھے حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال کو بھی رات کی خاص عبادت کے لئے جگاتے تھے۔

ہم بھی آج کل رمضان المبارک کے انتہائی مقدس و بابرکت بلکہ سراپا برکت آخری عشرہ میں سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم اپنی کمروں کو اور بھی زیادہ کس لیں اور اپنی راتوں کو نوافل دعاؤں اور ذکر الٰہی کے ذریعہ غیر معمولی زندگی سے معمور کر دیں

اور پھر اپنے اہل و عیال کو بھی جگا کر انہیں انتہائی بابرکت راتوں کی خصوصی عبادت میں شریک کریں تا وہ بھی غیر معمولی انشراحِ روحانیت کے اِن بابرکت ایام میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل کو جذب کرنے والے بنیں اور اس طرح ہمیں صحیح معنوں میں للّٰہی وقف اختیار کرنے اور سعادتِ تامہ کے تینوں درجوں کی روحانی حلاوت سے بہرہ ور ہونے کی توفیق ملے اور ہم زندگی بھر اس للّٰہی وقف پر قائم رہ کر اور سعادتِ تامہ کے حصول کی جدوجہد کو جاری رکھ کر قربِ الٰہی میں ترقی کرتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ خدا ہم سے راضی ہو کر ہماری ساری مرادیں ہمیں عطا فرمائے۔

پھر یہ رمضان اور اس کا آخری عشرہ تو اور بھی زیادہ بابرکت ہے کیونکہ یہ خلافتِ ثالثہ کے قیام کے بعد آنے والا پہلا رمضان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلافتِ ثالثہ کی شکل میں ایک عظیم الشان انعام سے نوازنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہمیں رمضان کی شکل میں افضالِ خداوندی کے مزید بے شمار انعامات حاصل کرنے کا ایک انمول موقع عطا فرمایا ہے ہمیں اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر رمضان کے بقیہ ایام کو خلافتِ ثالثہ کے قیام پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے میں گزارنا چاہیئے تا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہم لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کے مصداق بن سکیں اور اس قابل ہو سکیں کہ ہم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ہر آواز پر والہانہ لبیک کہتے ہوئے غلبۂ اسلام کے ضمن میں اپنی عظیم ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ ادا کرتے چلے جائیں تا دنیا میں اسلام کی کامل اور آخری فتح آپ ہی کی آسمانی قیادت میں آپ ہی کے ہاتھوں دنیا میں ظاہر ہو اور یہ دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس جھنڈے تلے آ جمع ہو جسے اس زمانہ میں بلند رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اب آپ کو منتخب فرمایا ہے۔

اے خدا! تو ہمیں آخری عشرۂ رمضان کی برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں وہ مقدس گھڑی نصیب کر جس میں ہماری یہ سب مرادیں أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ کے تحت پوری ہو کر ہمارے دلوں کو شادکام اور ہمیں فائز المرام کر دیں۔ اے خدا! اے ذوالمجد والعطاء! تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

دعاؤں کا مبارک مہینہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ھیں:-

"رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے۔ دعاؤں کا مہینہ ہے"

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

:: کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ::

رمضان سے فائدہ نہ اُٹھانے والا بڑا ہی بدقسمت ہے

ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے

روزے مطیع اور عاصی میں فرق کرنے کیلئے میزان کا حکم رکھتے ہیں

ذیل میں امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے بعض نہایت ہی بیش قیمت ملفوظات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں جن میں حضورؑ نے رمضان کی اہمیت اور اس کی عظیم الشان برکات پر روشنی ڈال کر اس سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کو بڑا ہی بدقسمت قرار دیا ہے اور انہیں خبردار کیا ہے کہ رمضان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے۔ نیز انہیں یاد دلایا ہے کہ روزے مطیع اور عاصی میں فرق کرنے کے لئے میزان کا حکم رکھتے ہیں حضور علیہ السّلام فرماتے ہیں:-

۱۔ رمضان سے فائدہ نہ اٹھانے والا بدقسمت

"حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں۔ ایک وہ جس نے رمضان پایا اور رمضان گزر گیا پر اس کے گناہ نہ بخشے گئے (یعنی اس نے رمضان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ناقل) اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گزر گئے اور اس کے گناہ نہ بخشے گئے۔" (ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۳۷۵)

۲۔ ابدی زندگی کا خیال چھوڑنے کا انجام

"صلوٰۃ کے بعد روزے کی عبادت ہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض مسلمان کہلانے والے ایسے بھی ہیں جو

اِن عبادات میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں اور خدا تعالےٰ کی حکمتِ کاملہ سے آگاہ نہیں۔ تزکیہ نفس کے واسطے یہ عبادات لازمی پڑی ہوئی ہیں۔ ... کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیہ نفس کے واسطے ضروری ہے اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہرِ الٰہی کا نازل کرنا ہے۔"

(دیکھو لا الٰہ الّا اللہ ص۴۳)

۳۔ مطیع و عاصی میں فرق کرنے کے لئے میزان

"افسوس کی بات ہے کہ مسلمان خود شریعت کی توہین کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھو جنہوں نے ان دنوں روزے رکھے ہیں وہ کچھ دُبلے نہیں ہو گئے اور جنہوں نے استخفاف کے ساتھ اس مہینہ کو گزارا ہے وہ کچھ موٹے نہیں ہو گئے۔ اُن کا بھی وقت گزر گیا اور اِن کا بھی زمانہ گزر گیا۔ جاڑے کے روزے تھے۔ صرف غذا کے اوقات کی ایک تبدیلی تھی۔ سات آٹھ بجے نہ کھائی چار پانچ بجے کھا لی۔ باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی بہتوں نے شعائر اللہ کی عظمت نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے اس واجب التکریم مہمان ماہ رمضان کو بڑی حقارت سے دیکھا۔ اس قدر آسانی کے مہینوں میں رمضان کا آنا ایک قسم کا معیار تھا۔ اور مطیع و عاصی میں فرق کرنے کے لئے یہ روزے میزان کا حکم رکھتے تھے۔"

(روداد جلسہ دعا ص۱۵)

۴۔ بہانہ جو کسی ثواب کا مستحق نہیں

"اگر کسی شخص پر (اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے) روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا شخص جو خدا تعالےٰ کی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کیا اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور میں اس کا منتظر تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جس طرح اہل دنیا کو دھوکہ دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دے لیں گے۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش لیتے ہیں۔ اور تکلفات کو شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک وہ صحیح نہیں۔ تکلفات کا باب بہت وسیع ہے اگر انسان چاہے تو اس تکلّف کی رو سے ساری عمر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے۔ خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ اسے ثواب سے زیادہ بھی دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابل قدر شے ہے۔ حیلہ جو انسان تاویلوں

پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا تعالےٰ کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شے نہیں . . . . . .

جب انسان خدا کے واسطے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کی طرح رحم کرکے اسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہے۔ مگر جو تکلّف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں۔ خدا ان کو دوسری مشقتوں میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں۔ اور دوسرے جو خود مشقت میں پڑتے ہیں ان کو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا اس کے نفس پر شفقت کرے کیونکہ انسان کی شفقت اُس کے نفس پر اُس کے لئے جہنم ہے اور خدا کی شفقت جنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصّہ پر غور کرو جو خود آگ میں گرنا چاہتا ہے اسے تو وہ خدا آگ سے بچاتا ہے۔ اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ اَسْلَمْتُ ہے اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ خدا کی راہ میں پیش آئے اس سے انکار نہ کرے۔"

(البدر ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۵۔ روزہ میں محض بھوکا رہنا مقصود نہیں

"روزہ دار کو خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ روزہ سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہیئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے۔ ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہوکر ان ضرورتوں سے انقطاع کرکے تبتّل الی اللہ حاصل کرنا چاہیئے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی۔ مگر اس نے روحانی روٹی کی پرواہ نہیں کی۔ جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے۔ ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے اور اس سے روحانی قویٰ تیز ہوتے ہیں۔"

(بحوالہ لیکچر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صـ۴۳)

۶۔ بامر مجبوری روزہ کب چھوڑنا چاہیئے

"میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں۔ طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں۔"

(الحکم ۱۲ر جنوری ۱۹۰۱ء)

۷۔ خودروی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لو

" جو شخص میری اس وصیت کو نہیں مانتا کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور درحقیقت

ایک پاک انقلاب اس کی ہستی پر آجائے اور درحقیقت وہ پاک دل اور پاک ارادہ ہو جائے اور پلیدی اور حرامکاری کا تمام چولہ اپنے بدن پر سے پھینک دے اور نوعِ انسان کا ہمدرد اور خدا کا سچا تابعدار ہو جائے اور اپنی تمام خود روی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہولے۔ میں اُس شخص کو اس کتے سے مشابہت دیتا ہوں جو ایسی جگہ سے الگ نہیں ہوتا جہاں مردہ پھینکا جاتا ہے اور جہاں سڑے گلے مُردوں کی لاشیں ہوتی ہیں۔ کیا میں اس بات کا محتاج ہوں کہ وہ لوگ زبان سے میرے ساتھ ہوں اور اس طرح پر دیکھنے کے لئے ایک جماعت ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دیں اور ایک بھی میرے ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اور قوم پیدا کرے گا۔“

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۵۶)

لیلۃ القدر کے تین معنے!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”قرآن شریف میں جو لیلۃ القدر کا ذکر آتا ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے یہاں لیلۃ القدر کے تین معنے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ رمضان میں ایک رات لیلۃ القدر کی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی ایک لیلۃ القدر تھا یعنی سخت جہالت اور بے ایمانی کی تاریکی کے زمانہ میں وہ (زمانہ) آیا جبکہ ملائکہ کا نزول ہوا۔ کیونکہ نبی دنیا میں اکیلا نہیں آتا بلکہ وہ بادشاہ ہوتا ہے اُس کے ساتھ لاکھوں کروڑوں فرشتوں کا لشکر ہوتا ہے جو اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں۔ سوم لیلۃ القدر انسان کے لئے اُس کا وقتِ اصفیٰ ہے۔ تمام وقت یکساں نہیں ہوتے ..... جتنا جتنا انسان خدا کے قریب آتا ہے یہ وقت اُسے زیادہ میسر آتا ہے“

(الحکم ۳۱ اگست ۱۹۰۱ء)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَلَیْسَ لَہٗ بِھٰذَا الْفَضْلِ ثَانِیْ

(قرآن مجید اپنے فضائل میں بے مثال ہے)

وَمَا الْقُرْاٰنُ اِلَّا مِثْلُ دُرَرٍ فَرَائِدَ زَانَھَا حُسْنُ الْبَیَانِ

قرآن تو بہت عمدہ اور یگانہ موتیوں کی طرح ہے۔ حسنِ بیان سے اسکی زینت اور خوبصورتی اور بھی نکھری ہے

وَمَا مَسَّتْ اَکُفُّ الْکَاشِحِیْنَا مَعَارِفَہُ الَّتِیْ مِثْلُ الْحِصَانِ

اور دشمنوں کی ہتھیلیاں ان معارف کو چھوئی بھی نہیں جو قرآن میں اس طرح چھپے ہوئے ہیں جیسے پردہ نشین پارسا عورت چھپی ہوئی ہوتی ہے

بِہٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِلْمٍ وَعَقْلٍ وَاَسْرَارٍ وَّاَبْکَارِ الْمَعَانِیْ

اس میں ہر ایک وہ علم اور عقل ہے جس کا تو طالب ہے اور انواع و اقسام کے بھید اور نئی صداقتیں اس میں بھری ہوئی ہیں۔

لَہٗ نُوْرَانِ نُوْرٌ مِّنْ عُلُوْمٍ وَّنُوْرٌ مِّنْ بَیَانٍ کَالْجُمَانِ

اس میں دو نور ہیں ایک تو علوم کا نور اور دوسرے فصاحت و بلاغت کا نور جو دانۂ نقرہ کی طرح چمکتا ہے

کَلَامٌ فَائِقٌ مَارَاقَ طَرْفِیْ جَمَالٌ بَعْدَہٗ وَالنَّیِّرَانِ

وہ ایک ایسا کلام ہے جو ہر ایک کلام پر فوقیت لے گیا ہے اس کے بعد مجھے نہ اور کوئی جمال اچھا معلوم ہوا اور آفتاب اور قمر اچھے دکھائی دے

اَیَاۃُ الشَّمْسِ عِنْدَ سَنَاہُ دَخْنٌ وَمَا الِلّعْلِ وَالسَّبْتِ الْیَمَانِیْ

آفتاب کی روشنی اس کی چمک کے آگے ایک دھواں سا ہے اور لعل سے سرخ چمڑے کو گو یمن کی ساخت کا ہی کیوں نہ ہو نسبت ہی کیا ہے

وَاَیْنَ یَکُوْنُ لِلْقُرْاٰنِ مِثْلٌ وَلَیْسَ لَہٗ بِھٰذَا الْفَضْلِ ثَانِیْ

اور قرآن مجید کی مثال دوسری چیز کیوں کر ہو جب کہ وہ اپنے فضائل اور کمالات میں بے مثل ہے۔

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست

وہ سچی کتاب جس کا نام قرآن ہے

آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست　　بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست

وہ سچی کتاب جس کا نام قرآن ہے ہماری شرابِ معرفت اسی جام کی ہے

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب　　نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

اس نورانی کتاب سے ایک قدم بھی دور رہنا ہمارے نزدیک کفر و زیاں اور ہلاکت ہے

الغرض فرقاں مدارِ دینِ ماست　　او انیسِ خاطرِ غمگینِ ماست

الغرض قرآن ہمارے دین کی بنیاد ہے وہ ہمارے غمگین دل کو بہلانے والا دوست ہے

نورِ فرقاں مے کشد سوئے خدا　　میتواں دیدن ازو روئے خدا

قرآن کا نور خدا کی طرف کھینچتا ہے ہم اس سے خدا کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں

ما چساں بندیم زاں دلبر نظر　　ہمچو روئے او کجا روئے دگر

ہم اس معشوق سے اپنی آنکھیں کیونکر بند کر سکتے ہیں اس کے چہرہ جیسا خوبصورت اور کوئی چہرہ کہاں ہے،

روئے من از نورِ روئے او بتافت　　یافت از فیضش دلِ من ہرچہ یافت

میرا مونہہ اس کے مونہہ کے نور کی وجہ سے چمک اٹھا میرے دل نے جو کچھ بھی پایا اسی کے فیض سے پایا

چوں دو چشمم کس نداند آں جمال　　جانِ من قربانِ آں شمس الکمال

جس قدر میری دونوں آنکھیں اس کے حسن کو جانتی ہیں اور کوئی نہیں جانتا میری جان کمالات کے اس سورج پر قربان ہے

رمضان کی بعض عظیم الشان برکات

لیلۃ القدر سے متعلق ایک خاص نصیحت

(سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سیّدنا حضرت فضل عمر المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ مئی ۱۹۲۲ء میں رمضان المبارک کی بارہ عظیم الشان برکات پر نہایت دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی تھی۔ رمضان المبارک کے موجودہ ایّام کے پیش نظر ان میں سے تین برکات جو نماز تہجد، دعاؤں کی قبولیت اور لیلۃ القدر سے تعلق رکھتی ہیں۔ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ امید ہے احباب ان کا بغور مطالعہ کر کے ان سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

۱۔ رمضان میں تہجد کی عادت پڑتی ہے

"رمضان کے دنوں میں انسان سحری کے لئے اٹھتا ہے اور اس طرح اسے عبادت کا موقع ملتا ہے کیونکہ اس وقت وہ تہجد پڑھتا ہے اور تہجد نفس کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔

اگرچہ وہ رمضان میں اٹھتا تو کھانا کھانے کے لئے ہے لیکن اس کو شرم آجاتی ہے کہ جب اٹھا ہوں اور وقت بھی ہے تو کیوں تہجد نہ پڑھوں اور جب پڑھتا ہے تو اسے روحانیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ تہجد نفسانیت کو توڑنے اور اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً (المزمل آیت ۷) رات کا اٹھنا بہت سخت ہے اور نفس کے کچلنے اور اصلاح کرنے کے لئے بڑا ہتھیار ہے۔ پس جب انسان کھانا کھانے کے لئے اٹھتا ہے تو تہجد بھی پڑھتا ہے جو اَشَدُّ وَطْأً ہے اور نفس کی اصلاح کے لئے ہتھیار ہے اور یہ ایک مہینے کی مشق سارے سال میں کام آتی ہے جیسا کہ پہاڑ پر

ایک دو مہینہ رہنا باقی سال کے لئے مفید ہوتا ہے۔ یا کمزوری صحت کو دور کر دیتا ہے اور اس ایک یا دو مہینہ میں جسم کو بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اسیطرح رمضان میں ایک مہینہ تہجد پڑھنا مفید ہو جاتا ہے"

۲۔ دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں

"پھر رمضان کے دنوں میں دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ ایک تو تہجد کے ذریعہ عبادت زیادہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور تسبیح و تحمید زیادہ کی جاتی ہے۔ علاوہ اس کے زیادہ دعاؤں کا بھی موقع ملتا ہے اور رمضان کو قبولیت دعا سے خاص تعلق بھی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ رمضان کے ذکر کے ساتھ فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میرے بندے جب میرے بارہ میں سوال کریں تو ان سے کہو کہ میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی دعا سنتا ہوں۔ چونکہ ان دنوں تمام عالم اسلامی دعاؤں میں مصروف ہوتا ہے اس لئے دعائیں زیادہ سنی جاتی ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کام کو زیادہ لوگ مل کر کریں وہ عمدگی سے اور اچھی طرح ہوتا ہے۔ پس ایک تو روزوں میں عبادت زیادہ کی جاتی ہے دوسرے دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اور اس سے روحانیت کے سلسلہ میں ترقی ہوتی ہے"

۳۔ آخری عشرہ کی ایک بہت برکت والی رات

"روزوں کی فضیلت کے بارہ میں ایک اور بھی بات ہے کہ اس ماہ کے آخری عشرہ میں ایک شب ہوتی ہے جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ وہ اس عشرہ کے وتر دنوں میں خصوصاً ہوتی ہے یہ رات بڑی برکت والی ہے مومنوں کو چاہیئے ان ایام میں اس شب کو تلاش کریں اور اس میں برکت حاصل کریں۔

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے لئے دعائیں کرو اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ تم لوگوں نے عہد کیا ہے کہ تم خدا کے نام کو پھیلاؤ گے مگر اس کے رستہ میں بعض روکیں ہیں اور افسوس ہے کہ ان میں سے بعض خود تمہاری پیدا کردہ ہیں۔ مثلاً آپس کا لڑائی جھگڑا بھی بہت بڑی روک ہے۔ آپس کے لڑائی جھگڑے کو لیلۃ القدر سے ایک تعلق ہے اور وہ یہ کہ اسکی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر کا وقت بھول گیا۔ چنانچہ آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے لیلۃ القدر کے وقت کے متعلق علم دیا تھا مگر تمہارا جھگڑا دیکھ کر میں بھول گیا۔ پس لیلۃ القدر کے علم سے جو فائدہ امت محمدیہ کو ہونا تھا اس سے تمام امت دو شخصوں کے جھگڑنے کے باعث محروم ہو گئی۔ یہ وہ رات ہے کہ جس میں ہر نیک دعا بطلبئہ قبول ہوتی ہے۔ لیکن خدا سے کچھ لینے کے لئے

قربانی کی ضرورت ہے اور وہ قوم کہاں قربانی کر سکتی ہے جو ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو۔ تم میں سے بعض لڑتے ہیں اور اس لڑائی سے جماعتی اور ملّی فوائد کو ذاتی فوائد یا جھگڑے پر قربان کر دیتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں کو معلوم نہیں کہ ذاتی عزت بھی جماعت ہی کی عزت سے ہوتی ہے۔ اور اگر جماعت کی عزت نہ رہے تو اس کے افراد بھی ذلیل ہو جائیں

ہم تو دیکھتے ہیں حیوان بھی اپنے عیب کو چھپاتے ہیں۔ بلّی اپنے پاخانہ کو چھپاتی ہے۔ پھر وہ لوگ جو اپنے کسی بھائی کا عیب نہیں چھپاتے وہ بلیّوں سے بدتر ہوئے یا نہیں۔ اگر کسی میں عیب ہو تو اس کو چھپاؤ۔ اور دور کرو نہ یہ کہ اُس کو شہرت دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس حال میں کس طرح خدا کے انعام حاصل کر سکتے ہو؟ اگر جماعت بدنام ہوگی تو لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے وہ کہیں گے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بدنام جماعت میں شامل ہونے کے لئے گھر بار چھوڑیں۔ عزیزوں رشتہ داروں سے علیحدہ ہوں۔ لوگوں سے تکلیفیں اٹھائیں، گالیاں سنیں۔ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی شخص کو بدنام کرنا، اسی شخص کی بدنامی ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا اثر ساری جماعت پر پڑتا ہے۔ اس سے ساری جماعت بدنام ہو گی۔ تمہاری ترقی میں سب سے بڑی روک تمہارے آپس کے جھگڑے ہیں ان کو دور کرو۔ اگر کسی بھائی میں عیب دیکھتے ہو تو اسکی پردہ پوشی کرو اور اس عیب کو دور کرو۔ جو شخص اپنے بھائی کے عیب چھپاتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص زید کا عیب چھپاتا ہے وہ زید کا عیب نہیں چھپاتا بلکہ اسلام کا عیب چھپاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زید کی حرف گیری کا اثر اسلام پر پڑتا ہے۔

پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور اس بدی کو مٹاؤ۔ ذاتی عداوت اور بغض کی وجہ سے ملّت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اسکی خدا کے ہاں کوئی عزت نہیں کیونکہ وہ نفسانیت پر مذہب کو قربان کرتا ہے اور اعلےٰ کی ادنیٰ کے لئے قربانی کرتا ہے کیا جو شخص بکرے کے لئے انسان کو ذبح کرے اسے انسان سمجھا جاتا ہے؟ جو لوگ ذاتی لڑائیوں سے ملّت کو نقصان پہنچاتے ہیں میں سچ سچ کہتا ہوں وہ جب مریں گے اور ضرور مریں گے تو اس وقت پچھتائیں گے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ ان باتوں کو چھوٹا مت سمجھو۔ ابدالآباد کی زندگی کے لئے یہاں کی ستّر اسّی سالہ عمر کی تکلیف کو کچھ مت خیال کرو۔ وہاں جو تکلیف ہوگی وہ بہت زیادہ ہوگی۔ کیونکہ وہاں کی زندگی روحانی زندگی ہوگی اور روحانی زندگی میں احساس بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں اس دنیا میں اگر کوئی ساری عمر صلیب پر لٹکا رہے تو یہ تکلیف کم ہوگی بہ نسبت اس تکلیف کے جو وہاں چند لمحوں میں محسوس ہوگی۔ پس اس رمضان سے فائدہ اٹھاؤ اور ذاتی فوائد کے لئے ملّت کو بدنام مت کرو۔ اگر تم ان دنوں میں کوشش کرو گے تو تمہیں ایسے گناہوں سے بچنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ رمئی ۱۹۲۲ء۔ الفضل ۲ رجنوری ۱۹۶۰ء)

"رحمتِ الٰہی کے چُپکے سامان"

مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے۔ قائد عمومی مجلس مرکزیہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے "رحمت الٰہی کے چُپکے سامان" (تذکرہ ص ۳۲۶) ہم وابستگان احمدیت نے رحمت الٰہی کے چپکے سامانوں کا ایک ایمان افروز نظارہ پچھلے دنوں مشاہدہ کیا۔ جماعت بظاہر بہت بڑے خطرات سے دوچار تھی جن کی وجہ سے خدشہ تھا کہ کہیں اس کی وحدت پارہ پارہ نہ ہو جائے اور جماعت میں انشقاق پیدا نہ ہو جائے۔ مگر خدا تعالےٰ کی رحمت نے نظر نہ آنے والے ایسے "چپکے سامان" پیدا کر دیئے کہ بے حد سکون کے ساتھ خاموشی ہی خاموشی میں جماعت میں ایک عظیم انقلاب رونما ہو گیا جسے دیکھ کر دنیا محوِ حیرت ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس نازک موقع پر جماعت کی رہنمائی خود فرمائی فرشتوں کے ذریعہ دلوں میں تسکین نازل کر دی اور چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے، عورتیں اور مرد سب ایک ہاتھ پر پھر جمع ہو گئے۔ احمدیت کا قافلہ ایک لمحہ کے لئے بھی رکنے نہ پایا اور بدستور چلتا رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

رحمتِ الٰہی کے ان "چپکے سامانوں" کا ایک اثر خدا کے فضل سے ان دنوں بے حد نمایاں نظر آ رہا ہے اور وہ ہے جماعت کا باہم اتحادِ محکم اور ایک دوسرے سے شدید محبت اور دلی محبت ——— کثرت کے ساتھ آپس میں معانقہ اور بغل گیر ہونے اور ملنے ملانے کا جو نظارہ اب کے جلسۂ سالانہ کے ایام میں اور اس کے بعد ہمیں نظر آیا اس کی مثال کئی سال کے سالانہ جلسوں میں نہیں ملتی۔ دل مل چکے ہیں۔ رنجشیں اگر کہیں اور کبھی تھیں بھی تو وہ خدا کے فضل سے ختم ہو چکی ہیں اور ساری جماعت خدا کے فضل سے متحد و متفق ہو کر منزلِ مقصود کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ جماعت کا یہ اتحاد و اتفاق اور باہم گہرے روابط و مراسم خدا تعالےٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ غور کیجئے کہ کس طرح شمال اور جنوب مشرق و مغرب غرضکہ دنیا بھر کے سبھی احمدی دلی محبت کے ایک مضبوط رشتے میں منسلک ہیں ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی اور ایک کا رنج دوسرے کا رنج ہے۔ گویا ساری جماعت ایک جسم انسانی ہے جس کا کوئی عضو خواہ وہ ایک دوسرے سے بظاہر کس قدر دور ہو اس سے الگ

نہیں ہے۔ جن احباب کو گزشتہ ایام میں جلسہ سالانہ میں شمولیت کی توفیق ملی انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف حاضر دوست بلکہ انڈونیشیا سے لے کر مغربی افریقہ اور امریکہ کے دوسرے ساحل تک کی احمدی جماعتیں بھی عدم مقدرت کی وجہ سے مرکزی جلسہ سالانہ میں شریک نہ ہو سکنے کے باوجود روحانی طور پر ان کے ساتھ ہیں۔ پُرخلوص سلام اور دعاؤں میں یاد رکھنے کے لئے جلسہ سالانہ کے ایام میں احباب کے نام کثرت کے ساتھ جو برقی پیغامات موصول ہوئے ان سے یہ امر عیاں ہے کہ گو دور دراز کی یہ جماعتیں جسمانی طور پر یہاں موجود نہیں تھیں مگر ان کی روحیں اور دل و دماغ یہاں پر موجود تھے۔ اور ان برکات و فیوض سے مالا مال ہو رہے تھے جن سے جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے دوست متمتع ہو رہے تھے ان برکات و فیوض اور انوار آسمانی سے بہرہ ور ہونے کے لئے ان کے بے تابانہ برقی پیغامات سے ایک شدید تڑپ عیاں تھی۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر محدود ہیں۔ ان کی اس تڑپ اور اس بے چینی کو دیکھ کر یقیناً وہ ان پر بھی وہی انوار و افضال اور برکات نازل فرما رہا ہو گا جن سے وہ خوش نصیب احباب مالا مال ہو رہے تھے جنہیں جلسہ سالانہ میں شرکت کی سعادت نصیب تھی۔

خدا کرے کہ باہمی اخوت و محبت کے یہ رشتے مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جائیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کی عظیم نعمت کا یہ سلسلہ ہم میں ہمیشہ قائم رہے تاکہ ساری جماعت فردِ واحد کی طرح متحد و متفق رہ کر ایک ٹیم کی طرح مصروفِ سعی و عمل رہے اور منزلِ مقصود کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتی چلی جائے اور کسی دوست سے کبھی کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو باہمی اخوت و محبت میں رخنہ اندازی کا باعث بنے آمین۔ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے آپس میں تلخی پیدا ہو کر ایک دوسرے سے بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی زمین جائداد یا عہدہ کے حصول کی خاطر باہمی رنجش شروع ہو جاتی ہے یہ امر ہمارے ذہنوں میں ہمیشہ مستحضر رہنا چاہیئے کہ اتحاد و اتفاق کو قائم رکھنے کی خاطر اگر ہمیں اپنا حق بھی چھوڑنا پڑے تو بھی اتحاد اور جماعتی وحدت کی خاطر اس حق سے دستبردار ہو جانا چاہیئے، بجائے اس کے کہ اس کی وجہ سے آپس میں اختلاف اور انشقاق پیدا ہونے دیا جائے۔ اسیطرح چھوٹے بڑے ہونے کا احساس جماعتی وحدت و سالمیت اور یکجہتی میں رخنہ انداز ہو سکتا ہے۔ ایمانیات و روحانیات میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بڑا وہ نہیں جو زیادہ مالدار ہے یا جماعت کے کسی بڑے عہدہ پر فائز ہے بلکہ خدا کی نگاہ میں بڑا وہ ہے جو ایمان و اخلاص اور تقویٰ کی دولت میں زیادہ حصہ دار ہے۔ بس ہمیشہ فروتنی اور انکسار سے کام لیا جائے اور محبت و اخوت کو قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی دل جوئی کی جائے تاکہ جماعت وحدت کے نشہ میں سرشار ہو کر اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خدا کی رضا کی راہوں پر چلتی اور روحانی ترقی کرتی چلی جائے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"اہل تقویٰ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کریں یہ تقویٰ کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ سے ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لئے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے عُجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب عُجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ غضب اس وقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں [illegible] یا ایک دوسرے پر غرور کریں یا نظر استخفاف سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے؟ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت ہے، ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اسکی ہلاکت کا باعث ہو جاوے، بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات مسکینی سے سنے، اس کی دلجوئی کرے، اس کی بات کی عزت کرے، کوئی چڑ کی بات مونہہ پر نہ لاوے کہ جس سے دکھ پہنچے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون (سورۃ الحجرات) ، تم ایک دوسرے کا نام چڑ کے نہ لو۔ یہ فعل فسّاق و فجّار کا ہے۔ جو شخص کسی کو چڑاتا ہے وہ نہ مرے گا جب تک وہ خود اسی طرح مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب ایک ہی چشمہ سے کُل پانی پیتے ہو تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرم و معظم کوئی دنیوی اصولوں سے نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔" (س ۲۶)

یہ سب امور جماعتی اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و یک رنگی میں رخنہ پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچنے اور حضور علیہ السلام کی ان زرّیں نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور ہمیں عُجب و پندار غیظ و غضب ، استحقار و استخفاف اور اختلاف و انشقاق سے ہمیشہ بچائے رکھے کہ ان سے باہمی محبت و مودّت ختم ہو جاتی ہے۔

○

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حسنہ کے

چند ایمان افروز نمونے

(محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی۔ لاہور)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جن بہترین اخلاق وعادات کے حامل اور جن اعلیٰ فضائل ومحاسن کے مالک تھے وہ اتنے زیادہ اور اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ حضور رضؓ کا سوانح نگار ان کو تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کرنے بیٹھے گا تو اُس کے سامنے بلاشبہ واقعات وحالات کا ایک انبارِ عظیم ہو گا اور اس کو ان کے انتخاب واقتباس میں مشکل اور دقت پیش آئے گی

واقعہ یہ ہے کہ ایسے نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت ہی کم منظرِ عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو اپنے محیر العقول کارناموں کے باعث دنیا کی آنکھوں اور عالم کی نظروں میں ایک چکا چوند پیدا کر دیتے ہیں۔ زمانہ صدیوں چکر کھاتا ہے تب ایک باکمال انسان پیدا ہوتا ہے جیسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ خدا تعالیٰ کی ہزاروں ہزار برکتیں اور رحمتیں اُن پر نازل ہوں۔

قدرت نے بہت ہی فیاضی کے ساتھ آپؓ کو مختلف اور متعدد ایسی عظیم الشان قابلیتوں اور لیاقتوں سے نوازا تھا جو تمام کی تمام اپنی حیثیت میں بے نظیر اور بے عدیل تھیں بلاشبہ احمدیت اپنے اس خلیفہ ثانی رضؓ کی ذات پر ہمیشہ فخر کرے گی اور ہماری تاریخ میں آپؓ کا دورِ خلافت اپنے شاندار کارناموں کی بدولت نہایت دلکش اور درخشندہ رہے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے علمی۔ سیاسی۔ اصلاحی اور اسلامی کارناموں سے

قطع نظر میں یہاں صرف آپ رضؓ کے اخلاق و عادات سے بحث کروں گا اور اس ضمن میں صرف وہ چند واقعات بیان کروں گا جن کا میں نے بچشم خود معائنہ کیا یا جو خود میرے ساتھ پیش آئے۔ میری طرح اگر دیگر احباب بھی اپنے اپنے مشاہدات لکھ کر الفضل میں اشاعت کے لئے بھیج دیں تو خاصا معقول ذخیرہ اس قسم کے ایمان افروز واقعات کا جمع ہو سکتا ہے۔

(۱)

۱۹۲۴ء میں جب حضرت صاحبؓ لندن تشریف لے گئے تو واپسی پر آپ پانی پت کی طرف سے گزرے۔ اس کا اعلان الفضل میں پہلے سے ہو گیا تھا۔ وقت مقررہ پر پانی پت کے احمدی حضور کو خوش آمدید کہنے کے لئے سٹیشن پر آئے۔ شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالیؔ کے فرزند جناب خانصاحب خواجہ سجاد حسین بھی آپ کی آمد کی خبر سن کر سٹیشن پر آپؓ سے ملنے آئے۔ جب گاڑی سٹیشن پر آکر رکی تو تمام احمدی احباب حضورؓ سے شرف مصافحہ حاصل کرنے اور آپؓ کی زیارت کرنے کے لئے فوراً اُس درجہ میں چڑھ گئے جس میں حضورؓ سوار تھے۔ میں نے حضورؓ کی خدمت میں عرض کی کہ مولانا حالی کے لڑکے خواجہ سجاد حسین صاحب بھی آپ سے ملنے سٹیشن پر آئے ہوئے ہیں اور نیچے پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں۔ وہ غیر احمدی ہیں اگر آپ ان سے ملنا چاہیں تو میں ان کو اندر درجے میں بلا لوں۔ حضرت صاحبؓ نے فرمایا نہیں میں خود نیچے اتر کر ان سے ملوں گا۔ یہ فرما کر فوراً حضورؓ کھڑے ہوئے اور پلیٹ فارم پر اتر کر خواجہ صاحب سے نہایت تپاک کے ساتھ ملے اور گاڑی کے روانہ ہونے تک برابر ان سے باتیں کرتے رہے انہوں نے پانی پت کی بالائی تحفہ کے طور پر پیش کی جو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کی۔

(۲)

یہی خواجہ سجاد حسین صاحب ۱۹۲۸ء میں حضرت الاستاذی المحترم ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت پر جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے قادیان تشریف لائے۔ حضرت صاحبؓ نے قصر خلافت میں خاص طور پر ان کو ملاقات کا شرف بخشا اور دروازہ تک خود ان کو لینے کے لئے تشریف لائے اور بڑے اعزاز کے ساتھ ان کو اپنے اس گدیلے پر بٹھایا جس پر خود حضورؓ تشریف رکھتے تھے۔ خاکسار راقم الحروف بھی پانی پت سے خواجہ سجاد حسین صاحب کے ساتھ آیا تھا اور اس وقت موجود تھا۔

حضرت صاحبؓ نے خواجہ صاحب سے فرمایا "آپ نے بڑی تکلیف کی جو اس ضعیفی اور پیرانہ سالی میں سفر کی صعوبت اٹھا کر یہاں تشریف لائے آپ کو یہاں کے قیام میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی"؟

خواجہ صاحب نے فرمایا" الحمد للہ میں بہت ہی آرام سے ہوں۔ اور مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں بالکل گھر کا سا آرام مل رہا ہے۔ جلسہ میں شامل ہو کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور الحمد للہ میں نے یہاں کا ماحول نہایت دیندارانہ پایا"۔

گفتگو کے دوران میں حضرت صاحبؓ نے فرمایا" خواجہ صاحب! میں آپ کے والد مولوی الطاف حسین حالی کا نہایت ممنون ہوں۔ انہوں نے مجھے ایک نصیحت میرے بچپن میں کی تھی جو آج تک مجھے یاد ہے اور میں اکثر اس کا ذکر مختلف موقعوں پر کر چکا ہوں"۔

خواجہ سجاد حسین صاحب (مرحوم) نے نہایت تعجب کے ساتھ پوچھا کہ والد مرحوم مولانا حالیؔ کے ساتھ آپ کا کیا واقعہ ہوا تھا؟ اور وہ کب اور کہاں آپ سے ملے تھے"؟

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا" خواجہ صاحب! مولانا حالیؔ سے میری ملاقات تو کبھی نہیں ہوئی۔ مگر ایک خط میں نے ان کو ضرور لکھا تھا جس کا انہوں نے جواب دیا تھا۔ میرے خط اور ان کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ بچپن میں مجھے شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ تو میں نے سوچنا شروع کیا کہ اپنے شعروں کی اصلاح کس سے لیا کروں۔ میں کئی دن تک اس بات کو سوچتا رہا۔ اور آخر کار میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مولوی الطاف حسین حالی سے بہتر سارے ہندوستان میں کوئی اور شاعر اس وقت نہیں (کیونکہ وہ اپنی مسدس کی بدولت تمام ملک میں بہت مشہور ہو چکے تھے) پس اُن ہی کو شاعری میں اپنا استاد بنانا چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی میں نے انہیں پانی پت میں خط لکھا کہ " میں ابھی چھوٹا بچہ ہوں۔ مگر مجھے شعر کہنے کا بڑا شوق ہے اور میں شاعری میں آپ کو اپنا استاد بنانا چاہتا ہوں۔ اگر میں یہاں سے اپنے اشعار اور اپنی نظمیں آپ کو لکھ کر بھیج دیا کروں اور ان کی اصلاح کر کے آپ مجھے واپس بھیج دیا کریں تو میں آپ کی اس مہربانی اور عنایت کا نہایت شکر گزار ہوں گا"۔

مولانا حالیؔ نے میرے خط کا فوراً جواب دیا۔ اس خط میں انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ" میاں صاحب زادے! تمہارا خط پہنچا جس میں تم نے اپنے شوق کا ذکر کیا ہے اور اس شوق میں مجھے اپنا استاد بنانا چاہا ہے۔ میاں! اس سلسلہ میں میری نصیحت تمہیں یہی ہے کہ شاعری بیکاری کا دھندا ہے۔ اس فضول جھنجھٹ میں نہ پڑو۔ اس وقت تمہاری عمر شاعری کی نہیں بلکہ تحصیل علم کی ہے۔ بس نہایت دل لگا کر اور بالکل یکسو ہو کر علم حاصل کرو۔ جو وقت شاعری جیسے بے کار شغل میں گنوانا چاہتے ہو وہ تحصیل علم میں صرف کرو۔ اور کسی طرف خیال اور دھیان کو نہ لگاؤ۔ جب لکھ پڑھ کر فارغ ہو جاؤ گے، اور بڑے ہو کر فکر معاش سے بھی فراغت ہو گی تو اس وقت شاعری بھی کر لینا۔ کونسی بھاگی جا رہی ہے"۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت صاحبؓ خواجہ صاحب سے فرمانے لگے کہ" خواجہ صاحب! جب میں نے

یہ خط آپ کے والد صاحب کو لکھا تھا اُس وقت میں بچہ تھا۔ اور اب بوڑھا ہو گیا ہوں مگر اب بھی جب کبھی مجھے مولانا حالی کی یہ نصیحت یاد آتی ہے تو بڑی پیاری لگتی ہے۔ اور میں خیال کرنے لگتا ہوں کہ واقعی مولانا حالی نے مجھے بہت ہی عمدہ اور نہایت نیک مشورہ دیا تھا۔ مجھے اس نصیحت میں ہمیشہ مولانا کا خلوص جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بے اختیار اُن کی نیکی اور شرافت کی تعریف کرنے کو دل چاہتا ہے "

حضرت صاحبؓ کی زبان سے یہ واقعہ سن کر خواجہ سجاد حسین صاحب نے کہا کہ "آپ نے ٹھیک فرمایا والد صاحب مرحوم کا قاعدہ تھا کہ وہ لوگوں کو شعر کہنے سے روکتے اور اپنا شاگرد بننے سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ لوگوں نے بے کار اور فضول شعر کہنا اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور اس سے وہ کام نہیں لیتے جو در حقیقت لینا چاہیئے اسی لئے ہماری شاعری بے کاری کا مشغلہ بن کر رہ گئی ہے "۔ اس کے بعد کچھ متفرق باتیں ہوتی رہیں اور آدھ گھنٹے کی نہایت دلچسپ ملاقات کے بعد یہ صحبت ختم ہوئی۔

۱۹۲۷ء کا ذکر ہے کہ میں اپنے مرحوم فرزند محمد احمد کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرانے کے لئے قادیان لایا۔ اور مغرب کی نماز حضرت صاحبؓ کی اقتداء میں پڑھی۔ نماز مسجد مبارک کے اوپر کے صحن میں ہوئی تھی جب نماز کے بعد حضورؓ واپس تشریف لے جانے لگے تو احباب جماعت حضورؓ سے مصافحہ کرنے کے لئے راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ اور حضور ان کے درمیان سے گزرنے لگے۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ مگر جس وقت میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو فوراً ایک اور صاحب مصافحہ کرنے کے شوق میں آگے بڑھے اور میں ان کے دھکے سے پیچھے ہٹ گیا اور حضرت صاحب آگے بڑھ گئے اور میں دیکھتا رہ گیا۔ مگر تین چار قدم آگے جانے کے بعد معاً حضرت صاحب واپس لوٹے کیونکہ آپ کو محسوس ہو گیا تھا کہ کسی شخص نے ہاتھ بڑھایا تھا مگر وہ مصافحہ نہیں کر سکا پس حضورؓ نے واپس ہو کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ میری خیریت پوچھی اور قادیان آنے کی وجہ دریافت فرمائی اور پھر تشریف لے گئے۔

(۴)

جب میں مرکزی لائبریری کا لائبریرین مقرر ہو کر مستقل طور سے اپنے وطن کو چھوڑ کر قادیان آ گیا تو ایک دفعہ میرے ایک عزیز جو غیر احمدی اور سخت مخالف تھے مجھ سے ملنے کے لئے پانی پت سے ایک دو روز کے لئے قادیان آئے۔ میں انھیں شام کے وقت شہر کی سیر کرانے کے لئے باہر نکلا تو مولوی عبدالمغنی خانصاحب مرحوم ناظر دعوۃ و تبلیغ کے مکان سے نکلتے ہی میں نے دیکھا کہ حضرت صاحبؓ اپنے چند خدّام کے ساتھ کے دار الحمد کی طرف سے واپس شہر آ رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی مجھے بڑی گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی۔ کیونکہ میں نے خیال کیا یہ میرے عزیز جو اس وقت میرے ساتھ ہیں احمدیت کے شدید مخالف ہیں یہ نہ

حضرت صاحب کو سلام کریں گے۔ نہ ان سے بات کریں گے اور مجھے اس سے بڑی شرمندگی ہوگی۔ اب میں کیا کروں۔

فوراً ہی میرے عزیز نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب آرہے ہیں۔ میں نے کہا ہمارے حضرت صاحب ہیں جو سیر سے واپس آرہے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً وہ صاحب راستہ چھوڑ کر سڑک کے کنارے جو مکان تھا۔ اس کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں فوراً ہی حضرت صاحب پہنچ گئے۔ میں نے اسی گھبراہٹ میں آگے بڑھ کر سلام کیا۔ حضور نے مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد ان صاحب کی طرف دیکھا مگر وہ اپنی جگہ دیوار سے چپکے کھڑے رہے اور مونہہ سے کچھ نہ بولے۔ حضرت صاحب بلا تامل آگے بڑھے اور ان صاحب کے قریب پہنچ کر السّلام علیکم کہا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں یہ عجیب نظارہ دیکھ کر اس خیال سے کانپ اٹھا کہ یہ صاحب مخالفت کے باعث نہ سلام کا جواب دیں گے اور نہ مصافحہ کریں گے۔ جس کے نتیجہ میں مجھے سخت ندامت ہوگی۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ان صاحب نے بڑی انسانیت برتی۔ حضرت صاحب کے سلام کا جواب بھی دیا اور مصافحہ بھی کیا۔ حضرت صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ "آپ کی تعریف" میں نے عرض کی کہ میرے عزیز ہیں اور پانی پت سے مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت صاحب نے نہایت ہی خوش اخلاقی کے ساتھ تین چار باتیں ان سے کیں اور پھر تشریف لے گئے اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔

۵

تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء میں جب حضورؓ قادیان سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لائے اور لاہور کے رتن باغ میں قیام فرمایا تو ابتداء میں بہت سے لوگ ایک انتظام اور تنظیم کے ماتحت بسوں میں قادیان جاتے اور واپس آیا کرتے تھے۔ ایک روز شام کے وقت رتن باغ کے لان میں ایک کارکن نے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ اعلان کیا کہ "کل صبح سویرے جو قافلہ قادیان کے لئے روانہ ہو رہا ہے اُس میں جو جو آدمی شامل ہو کر قادیان جانا چاہیں۔ وہ نماز مغرب کے فوراً بعد یہاں حاضر ہو کر اپنے اپنے نام لکھوا دیں"

چونکہ یہ اعلان لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ بہت بلند آواز سے کیا گیا تھا۔ لہذا حضرت صاحبؓ نے بھی اپنے کمرہ میں سنا اور فوراً ایک صاحب کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی ابھی جو اعلان ہوا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ میری طرف سے لاؤڈ سپیکر پر یہ اعلان کر دیا جائے کہ "جو جو حضرات کل صبح قادیان تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ نماز مغرب کے بعد از راہ کرم دفتر میں تشریف لے آئیں تاکہ ان کے اسم ہائے گرامی نوٹ کر لئے جائیں اور سفر کے لئے جو ضروری ہدایات ہوں وہ بھی انہیں سمجھا دی جائیں۔

حضور رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اعلیٰ اور شریفانہ طرز تخاطب کا یہ واقعہ کتنا اچھا نمونہ ہے جو میں نے دیکھا۔

(۶)

ہر معاملہ کو بڑے غور سے سننے اور ہر کاغذ کو نہایت احتیاط سے دیکھنے کی جو عجیب و غریب لیاقت اور قابلیت حضرت صاحبؓ میں تھی اس کا ایک نمونہ ذیل کے واقعہ میں پڑھئے۔ اور تعجب کیجئے۔

جب ۱۹۵۲ء میں میری عزیزہ حور بانو کا نکاح ربوہ میں مولوی قمر الدین صاحب انسپکٹر اصلاح وارشاد نے پڑھا تو نکاح کے فارم میں ایک اندراج غلطی سے واقعہ کے خلاف ہوگیا۔ اس فارم پر حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ جیسے محتاط بزرگ کے بھی تصدیقی دستخط تھے اور یہ فارم درجہ بدرجہ مولوی قمر الدین صاحب کارکن صیغہ متعلقہ۔ ناظر صاحب امور عامہ اور پرائیویٹ سیکرٹری کی نظروں سے گزرا مگر کسی ایک شخص کی بھی توجہ اس موٹی غلطی کی طرف مبذول نہ ہوئی جو اس فارم کی خانہ پری کرتے وقت سہواً ہوگئی تھی۔ مگر جس وقت آخر میں یہ فارم حضرت صاحبؓ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کیا گیا تو فوراً حضرت صاحب نے اس غلطی کو پکڑ لیا اور ان سب سے جواب طلب کیا جنہوں نے اس فارم کو دیکھنے اور پڑھنے اور دستخط کرنے کے بعد پاس کیا تھا۔ میں نے حضرت صاحبؓ کے ہر معمولی سے معمولی کاغذ کو بھی اس قدر احتیاط کے ساتھ دیکھنے پر تعجب میں رہ گیا اور آج تک حیران ہوں۔

(۷)

ایک دعوت میں جس میں مَیں بھی حاضر تھا منتظمین نے حضرت صاحبؓ کے بیٹھنے کے لئے خاص الخاص اہتمام کیا۔ دری پر ایک قالین بچھائی۔ ایک بڑا گاؤ تکیہ لگایا۔ کھانے کی کئی پلیٹیں آپ کے آگے دستر خوان پر قرینے سے لاکر رکھیں۔ جب حضرت صاحبؓ تشریف لائے تو آپ نے اس ساز و سامان اور خاص انتظام و انصرام کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ تکیہ میرے لئے خاص طور پر کیوں لگایا گیا ہے اور یہ قالین خاص میرے لئے کیوں بچھائی گئی ہے؟ اٹھاؤ دونوں چیزوں کو جس طرح اور تمام احباب بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی سب کے ساتھ اسی طرح بیٹھوں گا"

حکم کی تعمیل میں دونوں چیزیں فوراً اٹھائی گئیں اور حضور سب لوگوں کے ساتھ دری پر بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی اپنے دائیں بائیں بیٹھنے والے اصحاب سے فرمایا کہ آپ صاحبان اتنے الگ الگ اور دُور دُور کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے پاس آکر بیٹھیں۔ پھر فرمایا کہ یہ چار پانچ پلیٹیں میرے سامنے کیوں لاکر رکھی گئی ہیں جب کہ تمام حاضرین کے سامنے ایک ایک پلیٹ ہے یہ سب اٹھاؤ اور صرف ایک پلیٹ رہنے دو۔ میں کوئی دیو تو نہیں جو چار پانچ پلیٹیں بھر کر کھاؤں گا۔ اس کے بعد جب منتظمین نے کھانا تمام مہمانوں کے آگے رکھ دیا تو حضورؓ نے بلند آواز سے فرمایا کہ کیا کھانا سب دوستوں کے پاس پہنچ گیا ہے؟ اس پر ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضور میرے آگے کھانا نہیں آیا" اس پر حضورؓ نے منتظمین کو ہدایت کی کہ ان صاحب کو فوراً کھانا پہنچاؤ" ایک دو منٹ کے بعد حضورؓ نے پھر ان صاحب کو مخاطب کر کے بلند آواز سے پوچھا کہ کیا آپ کو کھانا پہنچ گیا" جب ان صاحب نے کہا کہ ہاں حضور پہنچ گیا ہے۔ تب حضورؓ نے احباب سے فرمایا کہ الحمدللہ کہہ کر کھانا شروع فرمائیں"

واقعات تو اور بھی کئی میرے ذہن میں ہیں مگر فی الحال اختصاراً ان ہی سات واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپؓ کے اخلاق حسنہ کی تقلید کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اِسلامی معاشرہ کا نظام اِنہضام!

معاشرہ کی صحت کو قائم دائم رکھنے کا قرآنی طریق

مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے

گزشتہ اقساط میں بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مومنوں کی جماعت کو جسم انسانی سے تشبیہ دی ہے۔ جسم انسانی اپنی پیدائش کے وقت سے مسلسل طور پر نشوونما پاتا چلا جاتا ہے۔ بشرطیکہ اسے مناسب اغذیہ حاصل ہوتی رہیں اور کوئی بیماری روک نہ بنے۔ اسیطرح مومنوں کی جماعت ہر آن ترقی پذیر رہتی ہے انفرادی و جماعتی طور پر اس کے افراد مختلف قسم کی روحانی، اخلاقی و جسمانی غذائیں جزو بدن بناتے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی روحانی، اخلاقی و جسمانی بیماری آڑے نہ آئے تو مومنوں کا معاشرہ ہر آن منازل ترقی طے کرتا ہوا قدم آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

بعض اوقات ظاہر میں نظر آنے والی بعد کی ترقیات اس معاشرہ کی ابتدائی حالت سے بھی بڑھ کر نظر آتی ہیں کیونکہ نبوّت تو ایک تخم ریزی کرتی ہے، بعد میں وہ تخم مختلف زمینی و آسمانی غذائیں جذب کرتا ہوا نشوونما پکڑتا چلا چلا جاتا ہے۔ پھلتا اور پھولتا ہے اور کوئی اس کی ترقی کو روک نہیں سکتا، یہاں تک کہ ایک پھلدار اور پھولوں سے لدے ہوئے باغ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے مسیح محمدی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی جماعت کے متعلق بھی یہی عمل مقدر ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:-

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (الفتح ۳۰)

یعنی انجیل میں (انجیل والوں کے مقابل کے اسلامی حصّہ کی) مندرجہ ذیل حالت بیان ہے (جو یہ ہے) کہ وہ ایک کھیتی کی طرح (ہی) ہوں گے جس نے پہلے تو اپنی روئیدگی نکالی۔ پھر اس کو آسمانی اور زمینی غذا کے ذریعہ سے مضبوط کیا اور وہ روئیدگی مضبوط ہو گئی۔ پھر اپنی جڑ پر مضبوطی سے قائم ہو گئی۔ یہاں تک کہ زمیندار کو پسند آنے لگ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کفار ان کو دیکھ کر جلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور ایمان کے مطابق عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی سب کمزور حالتیں ڈھانپ جائیں گی اور انہیں بڑا اجر اور انعام ملے گا۔

لیکن جسم انسانی کے لئے خدا تعالیٰ کے قانون قدرت نے ایک وقت کے بعد دورِ انحطاط بھی لازماً مقدر کیا ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔ اسی طرح قوم اور معاشرہ پر بھی ترقی و تنزل کے ادوار آتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ کوئی معاشرہ یا جماعت ترقی کرتے کرتے اوج ثریا پر جا پہنچتی ہے اور احسن تقویم کا مظہر بنتی ہے لیکن اس کے بعد اس پر اخلاقی و روحانی موت وارد ہوتی ہے اور وہ اسفل سافلین کا نظارہ پیش کرتی ہے مگر جسم کے انحطاط اور قوم کے انحطاط میں ایک فرق بھی ہے۔ جسم انسانی اللہ تعالیٰ کے طبعی قانون کے تحت ایک وقت کے بعد لازماً روبہ انحطاط ہوتا ہے خواہ اس کی کتنی ہی دیکھ بھال کی جائے۔ اور جسم کی موت خدا تعالیٰ کے قانونِ تضاد قدر کے تحت حتمی و لازمی امر ہے جس کا کوئی بھی مداوا نہیں لیکن معاشرہ جماعت یا قوم جب تنزل کی راہ پر گامزن ہوتی ہے تو وہ قانون طبعی کے تحت نہیں بلکہ قانون شرعی کے تحت ہوتی ہے۔ یعنی اپنی غفلت اور عدم احتیاط سے قوم اس راستہ پر چل پڑتی ہے جس کا لازمی نتیجہ اس کی اخلاقی، روحانی اور جسمانی ہلاکت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اس کے اعمال کا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے نسخہ پر عمل کرتی چلی جائے اور شریعت حقّہ کی بتائی ہوئی روحانی و اخلاقی غذائیں اپنے جماعتی جسم کا جزو بناتی چلی جائے تو وہ اپنی ترقی کو قائم و دائم رکھ سکتی ہے۔ روحانی آفتاب کی چمک میں تو فرق نہیں ہوتا مگر اہل زمین خود اپنے دلوں اور دماغوں کی کھڑکیاں بند کر لیتے ہیں اپنے دلوں پر رسوم و رواج اور غلط عقائد و اعمال کے پردے ڈال دیتے ہیں اور اس وجہ سے وہ آفتاب روحانی کی ضیا پاشیوں سے محروم ہو جاتے ہیں

الغرض جسم انسانی کی طرح معاشرہ بھی آسمانی و زمینی غذاؤں کو جذب کرتے ہوئے ہر لحاظ سے

ترقی کرتا ہے لیکن اگر چاہے تو جسم کے برعکس وہ اپنی ترقی کو قائم و دائم بھی رکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ شریعت حقہ کی بتائی ہوئی احتیاطوں پر عمل کرے اللہ تعالیٰ سے بذریعہ دعا دائمی طور پر استمداد کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ
فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ (النصر)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور فتح آئے اور تو دیکھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اس ترقی کو اپنی طرف اور اپنے علم و تدبیر کی طرف منسوب نہ کرنا بلکہ محض شریعت حقہ کی اتباع کی برکت اور فضل الٰہی تصور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جانا۔ سبّوح ذات یعنی بے عیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھنا تمام کمزوریوں کو اپنے اعمال کے نقائص سمجھنا۔ ترقی اور وسعت کے زمانے میں لازمی طور پر تربیتِ قومی و فردی میں بعض روکیں اور مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے بذریعہ دعا استمداد کرتے رہنا کہ وہ ان طبعی طور پر پیدا ہونے والی کمزوریوں کے لئے تدارک کی راہ پیدا کرتا چلا جائے۔ اس سے مغفرت چاہنا۔ وہ یقیناً اپنے بندوں پر دعائے مغفرت کے نتیجے میں رجوع برحمت ہوا کرتا ہے

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ معاشرہ فردی و قومی۔ نیز زبانی و عملی استغفار کے عمل سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو طلب کرتے ہوئے ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنی روحانی صحت کو قائم و دائم رکھ سکتا ہے رجب بھی اس میں انحطاط پیدا ہو گا اللہ تعالیٰ کے قانون شرعی کے تحت ہو گا جس کی خلاف ورزی بندے کے اختیار میں ہے اور اسی لئے اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے) نہ کہ اس کے قانون طبعی کے تحت جس سے کوئی بھی مفر نہیں ہوتا۔ اس امر میں جسم انسانی کے زوال اور معاشرہ کے زوال کے قوانین الگ الگ ہیں ایک قانون تکوینی کے تحت ہے اور ایک قانون شرعی کے تحت۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَ
عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (الرعد ۳۸ - ۳۹)

یعنی ہر مدت اور زمانہ کی انتہا کے لئے (خدا تعالیٰ کی طرف سے) ایک خاص حکم صادر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے ان چیزوں کو جن کے متعلق اس کی حکیمانہ مشیّت ایسا تقاضا کرتی ہے اسی طرح بعض

کو) اپنی مشیت حکیمانہ کے تحت باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس (تمام فیصلوں اور) احکام کی اصل (اور جڑ) ہے یعنی ان کی حکمت اسی کو معلوم ہے۔

پس جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے بھی ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی کی اجل اور معاشرہ کی اجل کے لئے الگ الگ احکام مقرر کئے ہیں۔ بلکہ ہر اجل کے لئے الگ حکم مشیت حکیمانہ کے تحت صادر ہوتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے تمام قوانین اور کی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ان سے مفید فوائد حاصل کریں۔

اب جس طرح جسم کی نشوونما کے لئے اس کے اندر ایک نظام انہضام ہے بعینہٖ اسی طرح معاشرہ اور اس کے اراکین کے لئے اخلاقی و روحانی غذائیں زمین سے بھی اور آسمان سے بھی جذب کرنے کے لئے ایک نظامِ انہضام مقرر ہے۔ اگر معاشرہ کے افراد فردی اور قومی سطح پر ان آسمانی و زمینی اغذیہ کو جزوِ بدن بناتے چلے جائیں تو قومی ترقی و نشوونما کا عمل جاری و ساری رہتا ہے والّا روبہ انحطاط ہو جاتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کون سا نظام انہضام ہے جو ہمارے معاشرہ کے جسم کی نشوونما کا موجب بنتا ہے اور وہ کون کون سی اغذیہ ہیں، مفردات میں سے نیز مرکبات میں سے، جن کا حصول ہمارے لئے ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملنے والے تمام اوامر و نواہی وہ غذائیں اور پرہیز ہیں جو کہ ہمارے اخلاقی و روحانی جسموں کی فردی اور قومی سطح پر نشوونما کا موجب بنتے ہیں۔ ان کا مجموعہ اوّل نمبر پر قرآن کریم ہے۔ دوسرے درجے پر سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور تیسرے درجے پر احادیث نبویہ ہیں۔ قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا
يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ (بنی اسرائیل ۸۳)

یعنی ہم قرآن میں سے آہستہ آہستہ وہ (تعلیم) اتارتے ہیں جو (بیمار) مومنوں کے لئے (تو) شفاء اور (تندرست مومنوں کے لئے) رحمت (کا موجب) ہے اور ظالموں کو (جو اپنے آپ کو بیمار ہی نہیں سمجھتے اور علاج نہیں کراتے) صرف خسارہ میں بڑھاتی ہے۔

اس پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم تو تیرہ سو سال ہوئے نازل ہوا تھا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اخلاقی و روحانی طور پر فردی اور قومی سطحوں پر اب ہمیں بدلے ہوئے حالات سے مطابقت رکھنے والی نئی اغذیہ کی ضرورت ہے۔ بھلا یہ قرآن جو تیرہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا ہے موجودہ ضروریات زمانہ کا حل کس طرح پیش کر سکتا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:-

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ ع ۶)

یعنی ہم نے اس (کتاب) کو عربی زبان کے قرآن کی صورت میں اتارا ہے (جس میں سے عربی زبان کی معنوی ذخاریت کی وجہ سے ہر زمانہ میں نئے سے نئے علوم نکلتے چلے جائیں گے) اور اس میں (اخلاقی و روحانی نیز فردی و قومی بیماریوں اور ہلاکتوں سے بچنے کے لئے) ہر قسم کے (پرہیز اور) انذار کو کھول کھول کر بیان کیا ہے تاکہ لوگ نقصان سے بچ سکیں یا (پھر) یہ (قرآن) ان کے لئے (خدا تعالیٰ کی) یاد کا سامان (یعنی تقرب الی اللہ و اخلاقی و روحانی ترقی کے سامان نئے سرے سے بدلے ہوئے حالات کے مطابق) پیدا کرے۔ پس اللہ (تعالیٰ) جو حقیقی بادشاہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے بڑی ہی بلند شان والا ہے (یعنی اس کی آسمانی حکومت ہر زمانے میں بنی نوع انسان کو ہر قسم کی غذا پہنچائے گی اور وہ غذا اسی قرآنی سمندر سے نکلتی چلی جائے گی) اور (اے مخاطب) تو قرآن (کی وحی کے ظاہری و معنوی طور پر) اترنے سے پہلے اس کے بارے میں جلدی سے کام نہ لے (کہ قرآنی علوم سب کے سب ابتداء میں ہی ظاہر ہو جائیں بلکہ یہ ضرورتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اترتے چلے جائیں گے) اور تو یہ دعا کرتا رہ کہ اے میرے رب میرے علم کو بڑھاتا چلا جا (اور اس دعا کے ذریعہ ہر نئی ضرورت اسی قرآن میں سے حل ہو جایا کرے گی) اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو (بعض اوامر و نواہی کی) تاکید کی تھی مگر وہ (شیطان کی اس دلیل پر کہ اب حالات بدل گئے ہیں) بھول گیا تھا۔ مگر ہم نے خوب جانچ لیا تھا کہ اس کے دل میں ہمارا حکم توڑنے کے متعلق کوئی پختہ ارادہ نہیں تھا۔ (جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر رجوع برحمت ہوا)

پس اسلامی معاشرہ کی غذا قرآن کریم ہے۔ ہمارے لئے از بس ضروری ہے کہ رات اور دن کے مختلف اوقات میں اس غذا کو جزوِ بدن بنائیں تا اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کر سکیں فردی سطح پر بھی نیز قومی سطح پر بھی۔

قرآن کریم۔ سنت نبوی اور احادیث صحیحہ کے بعد میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حکمت اور عقلمندی کی بات جہاں سے بھی ملے اسے فوراً لے لینا چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا

یعنی حکمت کی بات تو مومن کی اپنی گمشدہ چیز ہی ہے۔ وہ اس کو لے لیتا ہے جہاں کہیں اسے پاتا ہے ضَالَّۃٌ کا لفظ رکھ کر ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ دراصل تمام مفید اور دائمی سچائیاں اور تعلیمیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ مگر بعض امور کو ہم اپنے فہم و تدبر کے قصور کی وجہ سے کھو دیتے ہیں۔ اس لئے جہاں سے بھی کوئی حکمت کی بات ملے اُسے پلّے باندھ لینا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کا قرآن کریم سے بھی کھوج لگانا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ (سورۃ البینۃ)

کہ تمام مفید اور دائمی سچائیاں اس قرآن کریم میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس طرح سے فہم و تدبر کو کام میں لا کر جب ہم ہر مفید اور دائمی سچائی کو قرآن کریم میں سے نکال لیں گے تو قرآن کریم پر ہمارا ایمان بڑھے گا اور اس پر عمل کرنے میں ہم پہلے سے بڑھ کر بشاشت و انشراح محسوس کریں گے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ کے ہر رکن کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے جن میں دینی و روحانی علم اوّل نمبر پر ہے۔ اور پھر اس علم کی ذیل میں دوسرے علوم بھی آجاتے ہیں۔ دنیا میں علم سے ہی ہر قسم کی ترقی ہو رہی ہے فرمایا

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

یعنی علم کا حصول ہر مسلمان کے مرد اور عورت پر فریضہ ہے

پس ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنے آقا کی فرمانبرداری کرتے ہوئے طلب علم کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں نہ کہ صرف نوکریوں اور ملازمتوں کے حصول کے لئے جائز یا ناجائز طریقوں کو کام میں لا کر ڈگریاں جمع کریں مستورات کے لئے حصولِ علم از حد ضروری ہے مگر ملازمتوں اور نوکریوں کے لئے نہیں بلکہ وہ علم جو انہیں مسلمان بیٹیاں، اسلامی جذبات سے بھرپور بیویاں اور اسلامی تربیت دینے والی مائیں بننے میں ممد ثابت ہو۔ اگر کوئی خاتون حصول علم کے بعد اپنے دماغ کو خراب کر لیتی ہے اور خاوند کی اطاعت اور اس کے والدین سے خدمت و احترام سے پیش آنے کے سلسلے میں اسلامی روایات پر عمل نہیں کرتی تو اس کی ڈگریاں اس کے لئے لعنت کا طوق ثابت ہوں گی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ ؎

علم آں بود کہ نور فراست رفیق اوست
ایں علم تیرہ را بہ پشیزے نمی خرم

یعنی علم وہ ہے کہ نور فراست ہو جس کا ساتھی ہو۔ اس دوسرے سیاہ علم کو تو میں ایک کانی

کوڑی کے مول بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں۔

پھر حصولِ علم اور اس کے ذریعہ اخلاقی و روحانی نیز فردی و قومی نشو و نما کے سامان پیدا کرنا ایک مسلمان کے لئے عمر بھر کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ۔ یعنی علم طلب کرو پنگوڑے سے لے کر لحد میں داخل ہونے تک

پھر حصولِ علم کے لئے دور دراز کے سفروں پر بھی آمادہ کیا گیا ہے ایک مومن کے لئے یہ ایک ضروری پروگرام ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اُسے سفر و غریب الوطنی کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرنے سے بھی جی نہیں چرانا چاہیئے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ کہ علم طلب کرو خواہ چین جیسے دور دراز ملک ہی جانا پڑے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے تو اس حکم پر لفظی طور پر بھی عمل کر کے دکھلا دیا چنانچہ ایک صحابی کی قبر چین کے شہر کنٹین میں موجود ہے۔

معاشرہ کی اخلاقی و روحانی اقتصادی و تمدنی الغرض دینی و دنیوی ترقی کے لئے معنوی اغذیہ کے علاوہ ظاہری طور پر بھی حلال اور طیّب اغذیہ کے استعمال پر اسلام میں بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اَلْعِبَادَةُ عَشَرَةُ أَجْزَاءٍ تِسْعَةٌ مِنْهَا فِي طَلَبِ الْحَلَالِ

کہ عبادت اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کے دس حصے ہیں جن میں سے نو حصے حلال رزق کھانے میں ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی نادان رزق حلال نہیں کھاتا خلقِ خدا کو لوٹتا ہے ٹھگی فریب کرتا ہے۔ سود کا روپیہ استعمال کرتا ہے رشوت لیتا اور دیتا ہے یا دوستی اور اقربا کے تعلقات کی رشوت لے کر فرضِ منصبی ادا نہیں کرتا۔ اگر وہ نماز اور روزہ وغیرہ دوسری عبادات بجا لاتا ہے تو وہ رسمی طور پر ایسا کرتا ہے اور نماز اور روزہ کی حقیقت کو نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔

کہ نماز برائی اور ناپسندیدہ امر سے روک دیتی ہے۔ ایسا شخص ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔

یعنی تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کی حقیقت سے غافل رہتے ہیں۔

تاہم اگر کوئی ٹھگی فریب کرنے والا۔ رشوت لینے یا دینے والا۔ سود اور رشوت سے متاثر ہو کر فرضِ منصبی اور ڈیوٹی ادا نہ کرنے والا اور پھر اسی کی اجرت قبول کرنے والا سچی نیت اور خلوصِ دل سے بھی

نماز پڑھے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دس میں سے ۹ حصے بے دین ہے اور صرف ایک حصہ دیندار ہے رہتا وقتیکہ وہ اپنی نماز میں دعائیں کرکے اپنے برے اعمال سے توبہ کرنے کی توفیق حاصل نہیں کر لیتا۔

حقیقت یہی ہے کہ حرام کی کمائی کھا کر کوئی شخص اعمالِ صالحہ اور نیکی کی حقیقی توفیق نہیں پاتا چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (پارہ ۱۸۔ المومنون ع ۴)

کہ اے رسولو (ان میں ان کی امتیں بھی شامل ہیں) تم پاکیزہ غذائیں کھاؤ (جو ظاہری و باطنی، جسمانی و اخلاقی ہر دو حال ہر رنگ میں پاکیزہ ہوں۔ اور ان کے نتیجہ میں) نیک اور ایمان سے مطابقت رکھنے والے اعمال بجالاؤ۔ (اور میں اس کو جو تم کرتے ہو جانتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرام مال یا حرام کمائی کھانے والا حقیقی طور پر نیک اعمال کی توفیق نہیں پاتا۔ اسلامی معاشرہ میں بالکل کھلی کھلی حرام خوری تو بہت کم لوگ ہی کرتے ہوں گے ہاں باریک حرام خوری پر اکثر کی نظر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ملازم ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس ملازمت کا حق الوسع حق ادا کرے اور خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور کسی رنگ میں کمی نہ کرے ورنہ اس کی تنخواہ یا اجرت۔ اکل حلال میں شمار نہ ہوگی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عموماً ایک شخص اپنی دانست میں تو اپنی تنخواہ کے مطابق پورا کام کر رہا ہے لیکن دوسرا شخص اسے قصوروار سمجھتا ہے۔ آخر اس امر کے فیصلے کا معیار کیا ہے؟ اس سلسلے میں دو امور یاد رکھنے چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ اس ملازمت کے جو فرائض مقرر کئے گئے ہیں وہ پورے ہو رہے ہیں یا کہ نہیں! اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ ان فرائض کے مقابلے میں مجھے تنخواہ یا اجرت کم مل رہی ہے تو پھر اگر وہ صبر سے اور دعا سے اور جائز وسائل سے اس امر کا تدارک وعلاج نہیں کر سکتا تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کام سے دستبردار ہو جائے نہ کہ تنخواہ یا اجرت کی کمی کا بہانہ رکھ کر اس کام کا حق ادا نہ کرے۔ اس موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک سکول ماسٹر نے اپنے سب شاگردوں کو GIRL کا تلفظ گرِل بتایا۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا کہ تیس روپے ملتے ہیں۔ گزارہ نہیں ہوتا۔ اس لئے میں نے تو گرِل ہی پڑھانا ہے

دوسرا معیار یہ ہے کہ انسان سوچے کہ اگر میں دوسروں کی جگہ پر ہوتا۔ تو کیا میں اپنے جیسے عہدہ اور مرتبہ والے افسر یا کارکن سے یہی توقع رکھتا جو وہ اس وقت مجھ سے رکھ رہے ہیں۔ کیونکہ ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنے لئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ دوسروں کے لئے پسند کرتا ہے کیوں کہ آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں -

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

(بخاری کتاب الادب)

یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حرام کمائی کمانے والا اللہ تعالیٰ کے رحم سے دور ہو جاتا ہے اور انتہائی طور پر قابل رحم حالت میں بھی جب وہ دعا کرتا ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اکل حرام کی وجہ سے اس کی دعا کو اس کے مونہہ پر مارتا اور رد کر دیتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

يَقُوْلُ الْعَبْدُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ - وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَقَدْ غُذِيَ بِالْحَرَامِ

کہ ایک بندہ مصیبت کے وقت اے میرے اللہ اے میرے اللہ پکارتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کا کھانا اور پینا مال حرام سے ہوتا ہے اور حرام مال سے ہی اسے غذا ملتی رہی ہے بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

معاشرۂ اسلامی کی جسمانی و اخلاقی، روحانی، اقتصادی و تمدنی ترقیات کے لئے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اخلاقی و روحانی اور جسمانی اغذیہ کے ہضم کرنے کے قابل بنائے اور رات دن اعلیٰ اور طیّب جسمانی، اخلاقی و روحانی غذائیں اپنے بدن کا جزو بناتا چلا جائے۔ ایسی غذائیں تو بے شمار ہیں لیکن بطور نمونہ مشتے از خروارے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اصل طریق تو یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کی تلاوت کریں اور ساتھ ساتھ اپنی حالت موجودہ پر اسے چسپاں کرتے ہوئے اپنا موازنہ کرتے جائیں جہاں بھی کمی نظر آئے وہاں نیکی کا عزم کریں اور دعا کریں کیونکہ بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے نیک عزائم پورے نہیں ہوتے چند ایک نہایت ضروری امور درج ذیل ہیں:-

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ الْخُلُقَ وِعَاءُ الدِّيْنِ - پھر فرماتے ہیں - بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی انسان کی اخلاقی برتری و عمدگی دینداری کا برتن ہے۔ برتن اچھا اور درست ہوگا تبھی اس میں دین کا معنی و روح قائم رہ سکے گا اور خرابی سے بچ سکے گا۔ نیز فرمایا کہ میں اچھے اخلاق کو ان کی آخری ارتقائی منزل تک پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

پس اسلامی معاشرہ کے ہر رکن کا فرض ہے کہ خالص دینی عبادات و فرائض کے علاوہ اپنے عام اخلاق و اطوار کو عمدہ بنائے اور عمدگی کے انتہائی معیار تک پہنچائے۔ حقیقی روحانی ترقی، اخلاق عمدگی کے حصول کے بعد

مشروط ہوتی ہے۔ ایک بداخلاق شخص یقیناً اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ نہیں ہو سکتا۔ اب میں بعض ضروری اخلاق کا ذکر کرتا ہوں جو معاشرہ کی زندگی و ترقی کے لئے از حد ضروری ہیں۔ ۱) چستی اور محنت کی عادت۔ ہمارے آقا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِعْمَلْ عَمَلَ امْرِئٍ يَظُنُّ اَنْ لَنْ يَمُوْتَ اَبَدًا وَاحْذَرْ حَذَرَ امْرِئٍ يَخْشٰى اَنْ يَمُوْتَ غَدًا۔ یعنی دنیا کے کاموں میں اس طرح محنت و چستی سے کام کرو کہ گویا تم نے کبھی مرنا نہیں اور اپنی اس ہمیشہ کی زندگی کے لئے تم نے زیادہ سے زیادہ ترقی کے سامان جمع کرنے ہیں۔ ہاں دینی کاموں اور عبادات یعنی امورِ تقویٰ میں اس طرح خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرو اور اس کی اطاعت میں رغبت کرو کہ شاید تم نے کل ہی مرنا ہے اور اپنے اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ اس ارشاد میں حضور نے ایک طرف ہمیں انتہائی چستی و محنت و دور اندیشی کا اور دوسری طرف انتہائی خشیۃ اللہ کا سبق دیا ہے۔

ب)۔ خدمتِ قوم و دین و ملت:۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خدمت وطن و خدمت دین و ملت کو اپنا شعار بنائے اور دینی و قومی خدمات کے لئے ہر دم اپنی جان مال عزت اور وقت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہے کہ اسی میں ترقی اور بقا کا راز مضمر ہے اور تقرب الی اللہ کا یہ ایک بہت سریع الاثر ذریعہ ہے ہمارے آقا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ صَبْرَ اَحَدِكُمْ سَاعَةً فِيْ بَعْضِ مَوَاطِنِ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَ اللّٰهَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا۔ یعنی اسلام کی خدمت کرتے ہوئے تم میں سے کسی ایک کا ایک گھنٹہ صرف کرنا اس کے لئے چالیس دن کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے

ج۔ خدمت خلق:۔ یعنی بنی نوع کی ہمدردی اور اصلاح میں وقت صرف کرنا اور اپنی زندگی وقف کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَعْمَلْ بِيَدِهٖ فَيَنْفَعُ النَّاسَ یعنی ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے اگر کسی کے پاس نہ ہو تو وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور لوگوں کو فائدہ پہنچا دے گویا اگر مالی طاقت کا فقدان ہو تو ان کو چاہیئے کہ اپنی جسمانی طاقت علم اور وقت کے صرف کے ذریعہ صدقہ ادا کرے اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی کرے۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مقصد کے لئے جماعت احمدیہ کی ذیلی تنظیمیں مقرر فرمائی ہیں حضور فرمایا کرتے تھے کہ خدام الاحمدیہ کے یہ معنے نہیں کہ احمدیت کے خادم بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ حلقۂ احمدیت میں سے تمام مخلوقِ خدا کے خادم۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے اطفال و خدام انصار و خواتین کو حضور رضی اللہ عنہ کے مقاصد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

د۔ سچ بولنے کی عادت:۔ یہ عادت اخلاقی ترقی کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہے جو شخص جھوٹ بولنے کی

عبادت اختیار کرتا ہے وہ شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ قرآن کریم نے بت پرستی کے گند سے اجتناب کرنے کے حکم کو جھوٹ سے اجتناب کے حکم کیساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے جس میں یہی اشارہ مضمر ہے کہ جھوٹ بولنا بھی ایک قسم کی باریک بت پرستی ہے جب کہ ایک شخص کسی دنیوی معبود کو خوش کرنے کے لئے یا دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لئے یا اسکی سزا یا نقصان سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کی رضا اور خشیت کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج ۳۱)

کہ اے مومنو۔ بت پرستی کے گند سے بچو اور (اسی کی ایک شاخ خفی) اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کیا میں سب سے بڑے گناہ تمہیں نہ بتاؤں؟ انھوں نے فرمایا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ کبائر میں سے سب بڑا گناہ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بنانا۔ دوسرے نمبر پر عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ یعنی والدین کی نافرمانی اور عدم خدمت ذکر تاہے تیسرے نمبر پر فرمایا آپ ٹیک لگائی ہوئی تھی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور بڑے جذبہ سے فرمایا اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ سنو! اس کے بعد جھوٹ بولنا سب سے بڑے گناہوں میں سے ہے۔ پھر آپ اس فقرہ کی تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ صحابہ کہتے ہیں ہم نے کہا کاش رسول اللہ اب خاموش ہو جائیں آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ اِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ فَاِنَّ الْکِذْبَ لَا یَصْلُحُ فِی الْجِدِّ وَلَا الْھَزْلِ وَلَا یَعِدُ الرَّجُلُ صَبِیَّہٗ ثُمَّ لَا یَفِیْ لَہٗ۔ کہ دیکھو جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ بولنا نہ ہی سنجیدگی میں اور نہ ہی ہنسی مذاق میں جائز ہے۔ پھر جھوٹے وعدے نہ کیا کرو یہاں تک کہ کوئی شخص ایسا بھی نہ کرے کہ اپنے بچے سے کوئی وعدہ کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے۔

۵۔ کسب معاش اور محنت شعوری و نکما پن سے اجتناب:۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ ایک سائل کو روٹی دے رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ سب لوگ جو اسے روٹی دے رہے ہیں اس سے بہتر ہیں ——— اسیطرح ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک نوجوان اپنے کسب معاش کے سلسلہ میں تیزی سے دوڑا جا رہا تھا۔ لوگوں نے کہا اس کا بُرا ہو دنیا کے کام میں ایسی مستعدی دکھا رہا ہے کاش اس کی جوانی خدا تعالیٰ کے راستے میں کام آتی۔ اس پر ہمارے آقا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی تیزی سے کام کرتا ہے۔ بیوی بچوں کے لئے یعنی ان کو رزق مہیا کرنے کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہی کام کرتا ہے۔

بعض طلبہ بی اے ایم اے کر لیتے ہیں پھر شکایت کرتے ہیں کہ ملازمت نہیں ملتی حالانکہ رزق کے حصول کیلئے

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہزار ہا طریق مقرر کئے ہیں وہ سب سے نظر بند کر کے صرف ایک ہی دروازے پر لا بٹھائے اور رابطہ لگتے ہیں۔ ان کو چاہیئے تھا کہ بی اے۔ ایم اے تو وہ خالصتاً حصولِ علم کی خاطر اور اس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں کرتے اور رزق کے حصول کے لئے رزاقِ دو جہان کے پیدا کئے ہوئے اور بے شمار طریقوں پر بھی نظر ڈالتے۔ ہاں اگر آسانی سے میسر ہو سکے تو اپنی لیاقت اور اعلیٰ معیار کے مطابق مقام حاصل کرنے کی کوشش ہرگز منع نہیں ہے۔

آخر میں میں اللہ تعالے سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالے ہم سب کو حقیقی اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے صحیح اور مفید اجزاء بنائے۔ اللہ تعالے نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنانے کا اعلان کیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ آسمانی وعدہ ہمارے ہی ہاتھوں پوری آب و تاب کے ساتھ، عالمگیر وسعتوں کے ساتھ پورا ہو۔ یہاں تک کہ اس معاشرہ کا امن خوشحالی۔ اطمینانِ قلب باہمی مودّت و ہمدردی اور تعلق باللہ اور اس کے شاندار نتائج کو محسوس کر کے قرآن کریم کی یہ پیش گوئی پھر ایک دفعہ پوری ہو کہ

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (الحجر ۱)

کبا اوقات اسلام کا انکار کرنے والے تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے اور ان برکات سے متمتع ہوتے جو مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں۔

اس معاشرہ کو زمین قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائیں۔ قرآن کریم کا ہی ناشتہ کریں۔ اس کا ہی لنچ۔ اسی کا ہی عصرانہ اور اسی کا ہی ڈنر۔ رات اور دن اس کی تلاوت کریں صرف لفظی تلاوت نہیں بلکہ اس کے ساتھ عملی تلاوت بھی۔ اور اس کی مہیا کردہ غذاؤں کو خوب ہضم کریں اور فردی اور قومی طور پر جسمانی۔ اخلاقی و روحانی توانائی حاصل کریں اور اس آیت کریمہ کے مصداق ہو جائیں۔

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۔ (پارہ ۳۰ سورۃ التطفیف)

تو قرآنی خوانِ نعمت سے پیدا ہونے والی تازگی اور شادابی کو ان کے چہروں سے پہچان لے گا۔

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اللہ تعالے ہم سب کو اپنی توفیق۔ فضل اور نصرت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔ و برحمتك يا ارحم الراحمين۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

مغرب کی مادی تہذیب کا عبرتناک انجام

روحانی دیوالیہ پن کے نتیجہ میں رُونما ہونیوالا فسادِ عظیم

انگلستان کے مشہور عیسائی مجلہ "ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" نے اپنے اگست ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں "مغرب کا روحانی دیوالیہ پن" کے زیرِ عنوان ایک قیمتی مضمون شائع کیا ہے جو انگریزی کے ایک اور دینی مجلہ سے ماخوذ ہے۔ اِس مضمون کا اردو ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں کیونکہ اس میں مغربی تہذیب کے عبرتناک انجام اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے فسادِ عظیم پر بہت عمدہ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور اصلاحِ احوال کی واحد صورت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ مضمون نگار رقمطراز ہے:۔

"دولت" اور "تنہائی" کے موضوعات پر سہ ماہی مجلہ "بیسویں صدی" (20th Century) کے گزشتہ دو شماروں میں مغربی تہذیب کے اخلاقی، جذباتی اور روحانی دیوالیہ پن کو واضح کیا گیا ہے۔ اِن شماروں کی ورق گردانی سے عصرِ حاضر کے انسان کی ذہنی کیفیت کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ عصرِ حاضر سے مراد وہ شخص ہے جو یورپ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے جدید اخلاقی اور مادی فلسفوں کے زیرِ اثر پیدا ہو کر انہی اثرات کی گود میں پلا بڑھا اور پروان چڑھا ہو۔ اعلیٰ معیار کے اِس مجلہ کے اِن دو شماروں کے مطالعہ سے مغربی معاشرہ کی دو امتیازی خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔ پہلی خصوصیت حصولِ دولت کی غیر محدود خواہش سے عبارت ہے اور دوسری خصوصیت قیود اور پابندیوں سے مبرّا ہوتے ہوئے سفلی جذبات کی تسکین میں حد سے زیادہ استغراق پر دلالت کرتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج وہ تمام دولت جسے مغرب کی سائنسی اور صنعتی ترقی نے ہر فرد بشر کے لئے عام کر دیا ہے عصرِ حاضر کے انسان کے تصرف میں ہے۔ اس کے باوجود وہ مطمئن اور قانع نہیں ہے۔ وہ اُس دولت کو جو اس کے تصرف میں ہے اپنے لئے ہرگز کافی نہیں سمجھتا بلکہ اور زیادہ دولت مند ہونے کی خواہش

اسے ہر دم لاحق ہے حتیٰ کہ امیر سے امیر تر ہونے کی خواہش ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہے چنانچہ وہ پوری سرگرمی سے مسلسل اس اعصاب شکن جدوجہد میں مصروف ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت پر ہاتھ مارے جتنی زیادہ دولت وہ حاصل کرتا ہے آئندہ اس سے بھی زیادہ دولت کے حصول کی خواہش اسے بے تاب رکھتی ہے۔ اس کی تمام مساعی اور کوششوں کا مرکز و محور ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرے۔ اس کے تمام اعمال اور تمام حرکات پر اس کی یہ خواہش حکمران ہے کہ وہ اپنے معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر بنائے اور زیادہ سے زیادہ آسائشوں اور تکلفات میں گھرا رہے۔ ظاہر ہے یہ آسائشیں اور تکلفات دولت ہی فراہم کر سکتی ہے۔ اسی لئے وہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اور کسی چیز پر قناعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ حصولِ دولت کی کبھی ختم نہ ہونے والی اس خواہش نے اسے خود غرض بنا دیا ہے۔ وہ ہر آن اپنے نفس کی تسکین میں ہی الجھا رہتا ہے اس کی خود غرضی جس راستہ کی طرف بھی اس کی راہ نمائی کرتی ہے وہ کسی اصول کی پرواہ کئے بغیر اسی پر چل پڑتا ہے۔ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے اس کا مقصد لکشمی دیوی کو ہی خوش کرنا ہوتا ہے۔ حصولِ دولت کی یہ مسلسل اور سرگرم جدوجہد اسے زیادہ محنت کئے بغیر جلد تر مالدار بننے کی خواہش میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیانتدارانہ اور پرخلوص محنت کی لگن اور اس سے حاصل ہونے والی تسکین کالعدم ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن محض اموال اور مادی آسائشوں کی کثرت اس کی روحانی خواہشوں اور تقاضوں کو پورا نہیں کر پاتی اور نہ وہ انہیں کسی طور پورا کر ہی سکتی ہے۔ کیونکہ انسان صرف روٹی سے ہی زندہ نہیں رہتا۔ اس کے باطنی ذوق و شوق کی تسکین کے لئے دولت سے ماورا کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے ایک ایسی چیز کی جو نسبتاً کم مادی نوعیت کی ہو۔

اپنے ان جذبات کی تسکین کی ماحیلانہ کوشش میں وہ جنس کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ جنسی شغف میں کسی حد تک اس تسکین کا سامان موجود ہے جو اس کے باطنی تقاضوں اور ان کی تسکین سے ایک گونہ مشابہت رکھتی ہے۔ اس افسوسناک گمان کے زیر اثر وہ اپنے آپ کو اسی میں غرق کر دیتا ہے۔ وہ اس کی درگاہ پر اظہارِ عقیدت کے رنگ میں اپنا سر جھکا دیتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے اسے وہ عیش و عشرت اور سرخوشی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ وہ اپنے احساسِ محرومی اور احساسِ شکست کو شراب سے حاصل ہونے والی نیم بے ہوشی کی حالت اور حیوانی خواہشات کی تسکین میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہاں بھی اسے مایوسی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ کیونکہ عیش و عشرت کی دیوی بھی لکشمی دیوی کی طرح فی الحقیقت غم و اندوہ کی دیوی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے سنہرے سپنے خواب پریشاں بن کر اسے مایوسی، بے قراری اور شکست خوردگی سے دوچار کر دیتے ہیں۔ اپنی روحانی تمناؤں کو پورا کرنے اور انہیں تسکین دینے

میں ناکامی، مایوسی اور شکست کے احساسات کو اور بھی اجاگر کر دیتی ہے اور وہ شکوک و شبہات کا شکار ہو کر آبرو باختہ اور خود پسند بن جاتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس ثقافت نے جس میں قعرِ دریا کی مانند بڑا وہ رفتہ رفتہ ڈوب رہا ہے۔ ہر قسم کی اعلیٰ اقدار کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اس ناگوار صورتِ حال کو فراموش کرنے کی خاطر وہ حصولِ دولت کی پُرجوش جدوجہد میں ایک دفعہ پھر پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے خود حفاظتی کے ایک جھوٹے احساس میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو ایک شیطانی چکر میں پھنسا ہوا پاتا ہے جس سے بچ نکلنے کی اسے کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ اس کے لئے زندگی سراسر بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اُس کے نزدیک زندگی میں ایک احمق کی سنائی ہوئی اُس کہانی سے زیادہ اور کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی جس میں شور شرابا تو بہت ہوتا ہے لیکن مقصد ندارد۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دولت کی یہ حرص اور یہ جنسی بھوک کیوں ہے؟ یہ شکست خوردگی اور کھوکھلاپن — جس نے انسان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اور جس نے ایک بھرپور اور پُرامن زندگی پر اعتماد کو یکسر ختم کر دیا ہے — کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اُس کردار کو فراموش کر بیٹھا ہے جو اسے کائنات میں ادا کرنا ہے۔ وہ اس راستہ سے بھٹک گیا ہے جس پر گامزن ہونا اس کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ وہ اِس حقیقت کو ہی بھلا بیٹھا ہے کہ انسانی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے جو مادی کامیابیوں اور حصولِ آسائش کی دوڑ دھوپ سے کہیں زیادہ بلند و بالا اور ارفع و اعلےٰ ہے۔ یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مقصد کیا ہے؟ وہ کونسا کردار تھا جو انسان کو ادا کرنا تھا اور جو اسے تلافیٔ مافات کے طور پر مستقبل میں ادا کرنا چاہیئے؟ یہ نہایت اہم سوال ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ انسان کو کائنات میں اس کا اصل مقام حاصل ہو تو اس سوال کا جواب ضرور ملنا چاہیئے۔ اس کا جواب دیئے بغیر انسان کو اُس حیوانی سطح سے جس تک وہ گر چکا ہے بلند نہیں کیا جا سکتا لیکن اِس سوال کا جواب نہ زمانۂ حال کے فلسفی دے سکتے ہیں اور نہ وہ فرسودہ مذاہب جو زمانہ کا ساتھ دینے کی اہلیت نہیں رکھتے اور نہ ہی کوئی سائنس یا رَتّل اس کا جواب دے سکتا ہے تاوقتیکہ وہ ایسی بصیرت کی مدد سے جو گوشت پوست سے ماوراء حقیقتِ کبریٰ تک پہنچنے کی اہلیت رکھتی ہو اِس عقدۂ دشوار کو حل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ انسان کے لئے از خود اس حقیقی مقصد کو دریافت کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ اس فہم و فراست سے عاری ہے جس کی مدد سے روح اور اس کی حقیقت کا ادراک ممکن ہوتا ہے۔ ایک ایسا شخص ہی اُس مقصد کو دریافت کر سکتا ہے جسے انسانی طاقت سے بالا طاقتیں اور قوتیں ودیعت کی گئی ہوں۔ مراد یہ کہ انسانی زندگی کے اصل مدعا اور مقصد کو (جو اسے عمیق تر معانی و مفہوم سے ہمکنار کرتا ہے) دریافت کرنے

کے لئے ایک نئے مسیح کی ضرورت ہے۔

یہود کا المیہ یہ ہے کہ مسیح کی آمد کے شدید انتظار اور اس بارہ میں اپنی دلی لگن کے باوجود انہوں نے مسیح کی پہلی بعثت کے وقت اسے پہچانا نہیں۔ انہوں نے الٹا مسیح پر لعنت بھیجی اسے دھوکہ دیا اور صلیب پر لٹکوا دیا۔ اب وہ مسیح کی آمد کے انتظار میں ہزاروں سال سے آہ و زاری کرتے اور روتے پیٹتے چلے آ رہے ہیں۔ اس المیہ سے عصرِ جدید کے انسان کو سبق سیکھنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ مسیح دوبارہ اس دنیا میں آئے اور ہم اسے پہچاننے میں ناکام رہیں اور پھر ہمارا حشر بھی ان کنواریوں کا سا ہو جو دولہا کا انتظار کرتی رہیں لیکن جب وہ آیا تو انہیں اسے سلام کرنے اور خوش آمدید کہنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی"

(ترجمہ از ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ لنڈن بابت اگست ۱۹۶۵ء ص ۳۹ تا ۴۱)

یہ حقیقت افروز مقالہ جس میں مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن کی عکاسی کمال درجہ مہارت سے کی گئی ہے اور مغربی معاشرہ میں پروان چڑھنے والے انسان کی روحانی پستی اور گراوٹ کا دلدوز منظر پیش کر کے اس معاشرہ کے اصل مرض کا صحیح علاج تجویز کیا گیا ہے " ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ " نے کس رسالہ سے اخذ کر کے اپنے قارئین تک اسے پہنچانا ضروری سمجھا ہے؟ وہ رسالہ جسے اولاً ایسا پُرمغز اور حقیقت افروز مقالہ شائع کرنے کا فخر حاصل ہے ربوہ سے شائع ہونے والا مشہور عالم دینی مجلہ " دی ریویو آف ریلیجنز" ہے یہ انگریزی مقالہ جس کا اردو ترجمہ ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ کے حوالہ سے ہم نے یہاں درج کیا ہے ریویو آف ریلیجنز کے شمارہ بابت دسمبر ۱۹۶۴ء میں مقالہ افتتاحیہ کے طور پر شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ کے مبنی برحق مندرجات سے مغربی دنیا کے مذہبی حلقے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اسی لئے انگلستان سے شائع ہونے والے عیسائی مجلہ " ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ " نے ریویو آف ریلیجنز کی اجازت سے اُس کے شکریہ کے ساتھ اسے اپنے کالموں میں بھی جگہ دی تاکہ خود اہل مغرب کو اپنی مادی تہذیب کی تباہ کاریوں سے آگاہی حاصل ہو اور وہ اصلاحِ احوال کی اُس آسمانی سکیم کی طرف متوجہ ہوں جس کا تعلق مسیح کی آمدِ ثانی سے ہے۔ مجلہ مذکور نے اس مقالہ کو اپنے کالموں میں درج کرتے ہوئے اس پر جو تعارفی کلمات لکھے ہیں ہم ان کا ترجمہ بھی یہاں نقل کرتے ہیں وہ رقمطراز ہے:۔

"مغربی پاکستان سے شائع ہونے والے مجلہ "دی ریویو آف ریلیجنز" کے مقالہ افتتاحیہ کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں کیونکہ یہ اس امر کے آئینہ دار ہیں کہ مغرب کی عیسائی دنیا کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ کیا ہے۔ ہم (ریویو آف ریلیجنز کے) ایڈیٹر صاحب کے تعاون پر ان کے شکر گزار ہیں"۔

"ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" کا اس مقالہ کو شکریہ کے ساتھ اپنے کالموں میں درج کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مغربی تہذیب کی وجہ سے وہاں معاشرہ میں جو فسادِ عظیم رونما ہوا ہے اس سے خود اہلِ مغرب بہت پریشان ہیں اور اس لئے پریشان ہیں کہ اس کی اصلاح ان کے بس میں نہیں ہے اور اس مایوس کن صورتِ حال میں ان کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھ رہی ہیں اور وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ مسیح آسمان سے دوبارہ نازل ہو کر اس فسادِ عظیم کو دور کرے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ اس مقالہ کو کسی مخالفانہ تبصرہ کے بغیر کبھی اپنے کالموں میں جگہ نہ دیتا۔ ان حالات میں ہمارے لئے از بس ضروری ہے کہ ہم اپنے فرض کو پہچانیں اور اسلام کا پیغام ان تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں اور اس طرح ان پر واضح کریں کہ مسیح کی آمدِ ثانی وقوع میں آچکی ہے۔ ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ وہ اسے پہچانیں اور اس کی آواز پر لبیک کہہ کر اور اس کے فرمودات پر عمل پیرا ہو کر مغربی تہذیب کے فسادِ عظیم سے نجات حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو پہچانتے ہوئے مغربی اقوام تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ادھر مغربی اقوام کو سمجھ عطا کرے کہ وہ مسیح کو اس کی آمدِ ثانی میں پہچان کر اس پر ایمان لائیں اور اس طرح اس خدائے واحد کے آستانہ پر جھکیں جس سے منہ موڑ کر وہ مغربی تہذیب کے ہاتھوں تباہی کے کنارے آ لگے ہیں۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

ہر ایک سے ہمدردی کرو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہوں اور میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جائے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔" (ملفوظات جلد اول ص۳۶۲)

اراکین مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ برائے سنہ ۱۹۶۶ء

صدر محترم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مندرجہ ذیل اصحاب کو مجلس عاملہ مرکزیہ برائے ۱۹۶۶ء کا رکن مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ مجالس انصار اللہ تعاون فرمائیں

اراکین خصوصی

۱۔ محترم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب
۲۔ محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب
۳۔ محترم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

دیگر اراکین

۱۔ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب	نائب صدر
۲۔ خاکسار شیخ محبوب عالم خالد ایم۔اے	قائد عمومی
۳۔ محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس	قائد تعلیم
۴۔ محترم مولانا ابو العطاء صاحب	قائد تربیت
۵۔ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب	قائد مال
۶۔ محترم شیخ مبارک احمد صاحب	قائد اصلاح و ارشاد
۷۔ محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب	قائد ایثار
۸۔ محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب	قائد ذہانت و صحت جسمانی
۹۔ محترم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب	قائد تجنید
۱۰۔ محترم مسعود احمد صاحب دہلوی	قائد اشاعت
۱۱۔ محترم محمد ابراہیم صاحب ناصر	قائد وقف جدید
۱۲۔ محترم صوفی غلام محمد صاحب	آڈیٹر

خاکسار:۔ محبوب عالم خالد
قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ

بچوں کا صفحہ

بچوں کی بیعت

جماعت احمدیہ پر اللہ تعالےٰ کا یہ بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے اپنی اِس جماعت کو خلافت کی نعمت سے نوازا ہے۔

آج دُنیا میں جماعت احمدیہ کے سوا اور کوئی جماعت ایسی نہیں جسے یہ نعمت ملی ہو۔ صرف ہماری ہی جماعت ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے یہ نعمت عطا کی ہے۔

۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر حضرت مولانا نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ بنے۔ آپ نے چھ سال خلافت کی اور اس عرصہ میں آپ نے جماعت کی تربیت اور اسلام کی خدمت کے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔

۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وصال پر خدائی بشارتوں کے مطابق حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کی مسند پر بیٹھے۔ آپ نے ۵۲ سال خلافت کی۔ آپ کے مبارک دَور میں ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ ہوئی۔ بہت سے ملکوں میں نومسلم احمدیوں کی جماعتیں قائم ہوئیں اور بڑی بڑی عالی شان مسجدیں بنیں۔ الغرض دنیا میں ایک عظیم الشان روحانی انقلاب رونما ہوا۔

۸ر نومبر ۱۹۶۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو اللہ تعالےٰ نے خلافت کا منصب عطا فرمایا۔ چنانچہ دنیا بھر کے احمدیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفۃ المسیح تسلیم کر لیا۔ لہذا اب آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ اور ہمارے آقا اور امام ہیں۔ آپ سے دلی محبت رکھنا اور آپ کی اطاعت کرنا ہم سب پر فرض ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ہاتھ پر لاکھوں احمدیوں کے بیعت کر لینے سے بچوں کو خیال آتا ہوگا کہ سب مردوں اور عورتوں نے تو آپ کی بیعت کر لی لیکن بچوں سے

اس طرح بیعت نہیں لی گئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ بیعت صرف بالغ مردوں اور عورتوں سے لی جاتی ہے۔ بچوں سے اس طرح بیعت نہیں لی جاتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچے بیعت میں شامل نہیں ہوتے۔ اپنے والدین کے ساتھ وہ بھی بیعت میں شامل ہوتے ہیں۔ والدین کی بیعت کے ساتھ ان کی بیعت خود بخود ہو جاتی ہے۔ ویسے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے بچوں کی بیعت بھی لی تھی۔ لیکن اس طرح پر نہیں جس طرح بڑوں کی بیعت لی جاتی ہے۔ ہم بچوں کو اس بیعت کا حال سناتے ہیں۔

ہاں تو ہوا یوں کہ ایک دفعہ ایک احمدی خاتون جن کا نام برکت بی بی تھا دو بچوں کو لے کر حضرت خلیفہ اول رض کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان میں سے ایک بچے کی عمر گیارہ سال تھی اور دوسرے کی چودہ سال۔ برکت بی بی صاحبہ نے آپ کی خدمت میں درخواست کی حضور ان بچوں کی بیعت لے لیں۔ آپ نے فرمایا یہ تو ابھی بچے ہیں ان کی بیعت تو نہیں ہو سکتی۔ لیکن خیر میں آپ کی خواہش پوری کر دیتا ہوں۔ یہ فرمانے کے بعد آپ نے ان بچوں کو مخاطب کر کے انہیں بہت اچھی اچھی نصیحتیں فرمائیں۔ ان میں سے خاص نصیحت یہ تھی کہ دیکھو بچو! کبھی چوری نہ کرنا اور کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا بس یہی تمہاری بیعت ہے۔ (حیاتِ نور ص۲۸)

اسی طرح اب بھی تمام بچوں کو یہ عہد کرنا چاہیئے کہ وہ نہ تو کبھی کسی کی کوئی چیز چرائیں گے اور نہ کبھی جھوٹ بولیں گے اور نیکی کے وہ تمام کام کریں گے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ انہیں بتائیں گے اس طرح وہ بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت میں شامل ہو جائیں گے۔ اور ان کا بیعت کرنے کا شوق پورا ہو جائے گا اللہ تعالیٰ تمام احمدی بچوں کو یہ عہد کرنے اور اسے نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ نیک، سچے احمدی، اور دین کے خدمت گزار بنیں۔

آمین

خداتعالی کے نزدیک سچا مومن کون ھے ؟

وھی جو اقرار بیعت کے مطابق دین کو دنیا پر مقدم کرے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ھیں :—

''یقیناً یاد رکھو کہ خداتعالی کے نزدیک وھی مؤمن اور بیعت میں داخل ھے جو دین کو دنیا پر مقدم کرے جیسا کہ وہ بیعت کرتے وقت کہتا ھے ۔ اگر دنیا کی اغراض کو مقدم کرتا ھے تو وہ اس اقرار کو توڑتا ھے اور خداتعالی کے نزدیک وہ مجرم ٹھرتا ھے ۔ پس اسی غرض سے یہ اشتہار (الوصیت) میں نے خداتعالی کے اذن سے دیا ھے ۔ سچی بات یہی ھے سال دیگر را کہ مے داند حساب ۔ لیکن جبکہ خدا تعالی کی متواتر وحی نے مجھ پر کھولا کہ وقت قریب ھے اور اجل مقدر کا الہام ھوا تو میں نے اللہ تعالی ھی کے اشارہ سے یہ اشتہار دیا کہ تا آئندہ کے لئے اشاعت دین کا سامان ھو اور تا لوگوں کو معلوم ھو کہ آمنا و صدقنا کہنے والوں کی عملی حالت کیا ھے ۔ یقیناً یاد رکھو کہ جب تک انسان کی عملی حالت درست نہ ھو زبان کچھ چیز نہیں یہ نری لاف گزاف ھے ۔ زبان تک جو ایمان رھتا ھے اور دل میں داخل ھو کر اپنا اثر عملی حالت پر نہیں ڈالتا وہ منافق کا ایمان ھے ۔ سچا ایمان وھی ھے جو دل میں داخل ھو اور اس کے اعمال کو اپنے اثر سے رنگین کر دے ۔ سچا ایمان ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کیونکہ انھوں نے اللہ تعالی کی راہ میں مال تو مال جان تک کو دے دیا اور اس کی پرواہ نہ کی . . . وہ ھمیشہ اسی آرزو میں رھتے تھے کہ خدا تعالی کی راہ میں ھماری زندگیاں قربان ھوں ۔''

(ملفوظات جلد ھشتم ۲۹۶)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں طبع ھوا